ارشد حسین

دینی اقدار کا نقیب

ترجمانِ اسلام

نگرانِ اعلیٰ
مولانا مفتی محمود
مدظلہ

٢٣
٤

پُرزور اپیل

میں اپنے اہلِ وطن سے پُرزور اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنے افغان مہاجر بھائیوں کی بھرپور امداد و اعانت فرمائیں۔ افغان مہاجرین و مجاہدین کی امداد وقت کی اہم ضرورت ہے۔

مفتی محمود (مولانا)

٢٣ ج
٤
1980
۲۵ جنوری تا ۳۱ جنوری | شمارہ ۴ | قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے

برِصغیر پاک و ہند اور عالمِ اسلام کی بلند پایہ شخصیت

فخر الاماثل حضرت مولانا **محمد منظور** صاحب نعمانی مدظلہ

— کی قلم سے —

مسئلہ علمِ غیب کی مکمل تحقیق

بوارق الغیب

چھپ کر منظرِ عام پر آچکی ہے

اپنے شہر کے دینی بک سٹال سے طلب کریں یا براہِ راست ہم سے طلب کریں

کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

کاغذ سفید آفسٹ پیپر ★ مجلد اعلیٰ ڈائی دار جلد ★ صفحات تقریباً ۴۰۰ ★ قیمت ۳۶ روپے ★

نوٹ :۔ حضرت مولانا صاحب مدظلہ کا مناظرہ علمِ غیب بھی چھپ چکا ہے طلب کریں۔

سامانِ کریانہ

ہوزری

سامانِ سٹیشنری

ہر قسم

مناسب داموں پر

خریدنے

کے لئے

خدمت

کا موقع دیں۔

نیز علاقہ کی سہولت کے لئے

خالص دودھ

کی ترسیل کا بھی بندوبست کیا گیا ہے

صوفی **محمد اشرف**

کریانہ مرچنٹ

محلہ عثمانیہ بلاک A

سٹیلائٹ ٹاؤن جھنگ صدر

ملازمت

فیصل عتیق سوسائٹی چنیوٹ

کے زیرِ انتظام فیصل عتیق نیوز ایجنسی میں اخبارات و رسائل کی فروخت کا کام کرنے کے لئے ایک ایسے آدمی کی ضرورت ہے جس کے پاس اپنی سائیکل ہو۔ رہائش ادارہ میں ہوگی۔ ایک سال کی عارضی ملازمت ختم ہونے کے بعد ایماندار اور محنتی ملازم کو مبلغ -/۲۵ روپے سالانہ ترقی کے علاوہ خوراک الاؤنس کے طور پر مبلغ -/۵۰ روپے یومیہ کی خصوصی ترقی دی جائے گی۔

تنخواہ کا گریڈ ۳۰۰ - ۲۵ - ۵۰۰ - ۲۵ - ۶۸۰ - ۵۰ - ۱۵۰۰

روپے ہوگا۔ درج ذیل پتہ پر درخواستیں ارسال کریں۔

سیف بن عتیق ناظم فیصل عتیق سوسائٹی

نشاط اسٹال احاطہ کچہری، چنیوٹ

ضرورتِ رشتہ

ایک پچیس سالہ حافظِ قرآن، پرہیزگار نوجوان جو اپنا ذاتی زرعی رقبہ بھی رکھتا ہے کے لئے ایک بیس سالہ دوشیزہ کا رشتہ درکار ہے۔

لڑکی مڈل پاس، قرآن ناظرہ میں مکمل عبور اور دیوبندی مسلک سے تعلق رکھتی ہو۔ ذات پات اور جہیز کی کوئی قید نہیں۔

— رابطہ کے لئے —

حافظ قاری نذیر احمد مدرس

مدرسہ جامعہ مکیہ اتحاد چوک میانچنوں

ہفت روزہ
ترجمان اسلام
لاہور

جلد نمبر ۲۲ | شمارہ نمبر ۴

جمعۃ المبارک

سرپرست
مولانا عبیداللہ انور

مدیر
اکرام القادری

مدیر معاون
عمیر الہاشمی

بدلِ اشتراک
سالانہ
۶۵ — روپے
ششماہی
۳۳ — روپے
سہ ماہی — ۱۷ روپے

قیمت
ایک روپیہ پچاس پیسے

خط و کتابت : ترجمانِ اسلام چوک رنگ محل لاہور

افغان مہاجرین کی امداد

افغانستان میں کھلی روسی جارحیت کے بعد افغانستان کے مسلمانوں پر جو قیامت خیز مظالم روا رکھے جا رہے ہیں وہ ساری دنیا کے سامنے ہیں۔ نہتے مسلمانوں پر بمباری سے جو تباہی و بربادی رونما ہوئی ہے اور ہو رہی ہے وہ بھی ار مخفی نہیں۔ اس عالم میں بھی ایک سپر پاور کے مقابلے میں افغانی مجاہدین ڈٹے ہوئے ہیں اور اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر رہے ہیں۔

آزاد و خود مختار دنیا کے مسلم و غیر مسلم ممالک نے ابھی تک جو کچھ کیا ہے وہ روس کی جارحیت کی زبانی کلامی مذمت سے آگے نہیں بڑھا حتیٰ کہ امریکہ جیسی طاقتیں بھی صرف زبانی جمع خرچ سے کام لے رہی ہیں۔ روسی جارحیت کو افغانستان میں تقریباً ایک ماہ ہونے کو ہے مگر کسی نے اب تک عملی اقدام نہیں کیا۔ اور تو اور مسلم ممالک بھی ابھی تک تذبذب اور خوف و ہراس کا شکار ہیں اور وہ پراسرار قسم کی غنودگی میں مبتلا ہیں۔ کم از کم پاکستان۔ ایران۔ سعودی عرب اور خلیج کی دیگر ریاستوں کو تو اس نازک مرحلے پر افغان مجاہدین کی بھرپور امداد کرنی چاہیے تھی۔ ان ممالک کے بالواسطہ اور بلاواسطہ مفادات کا تعلق افغانستان کے حالات و واقعات سے وابستہ ہے۔ چین اور امریکہ کے مفادات کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ وہ عملی طور پر کچھ کریں اور روسی جارحیت کو مزید پنپنے کا موقع فراہم نہ کریں۔

یہ امر انتہائی افسوسناک ہے کہ چین اور امریکہ افغانستان میں روسی جارحیت کو روکنے اور ختم کرنے کی بجائے پاکستان اور ایران میں متوقع روسی جارحیت کو روکنے کی بات کرتے ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ان ممالک نے افغانستان میں ہونے والی روسی جارحیت کو تو قبول کر لیا ہے، پاکستان اور ایران میں ہونے والی جارحیت کو قبول اور برداشت نہیں کریں گے۔

مزید یہ کہ امریکہ نے ایران کے ساتھ مخاصمت اور تصادم کی پالیسی اپنائی ہوئی ہے جو موجودہ نازک صورتِ حال میں بھی ترک نہیں کی۔ اب بھی امریکہ کی طرف سے ایران کی اقتصادی پابندیوں پر عملدرآمد کی باتیں کی جا رہی ہیں۔ کیا اسی طرح سے امریکہ ایران کا دفاع کرے گا اور ایران میں متوقع روسی جارحیت کا مقابلہ کرے گا امریکی اقتصادی پابندیوں کی وجہ سے ایرانی قوت کے کمزور ہونے کی صورت میں روس کو مزید ایران میں جارحیت کرنے کے مواقع میسر آئیں گے اور اس طرح سے ایران کو اپنے دفاع میں دشواریوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

پاکستان کے بارے میں بھی امریکہ نے ابھی تک کوئی واضح پالیسی اختیار نہیں کی امریکہ نے پاکستان کے ساتھ پچیس سالہ پرانے معاہدے کا شور مچا کر روس کو مزید چوکنا ہونے میں مدد دی ہے اور بھارت کو بھی واویلا کرنے کا موقع فراہم کیا ہے، اس کے سوا کچھ نہیں کیا اور اب جبکہ بھارت کی وزیر اعظم اندرا گاندھی نے کھل کر روسی جارحیت کی

کی قیمت لینے سے انکار کر دیا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور نہ فرمایا اور حضرت صدیقؓ کے ذریعہ رقم دلوا دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس مسجد کی تعمیر میں مزدوروں کی طرح حصہ لیا۔ مسجد کی دیواریں کچی اینٹوں کی ستون کھجور کے تنوں کے اور چھت پتوں کی تھی۔ قریب ہی نادار مسلمانوں کے لئے ایک چبوترہ تعمیر فرمایا جو تاریخ میں صفہ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس مسجد کو "مسجد النبی" کہا جاتا ہے۔

جب یہ مسجد بن کر تیار ہو گئی تو نماز باجماعت کا اہتمام کیا گیا، مگر ابھی اذان کا حکم نہ ہوا تھا۔ صحابہ میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ نماز کے لئے مسلمانوں کو پکارا جائے۔ ایک دن حضرت عبداللہ بن زید انصاریؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک شخص قبلہ رو ہو کر "اللہ اکبر اللہ اکبر" پکار رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ خواب سچا ہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے آکر اسی قسم کا خواب سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس سے پہلے بذریعہ وحی اذان کا حکم مل چکا ہے۔ اور پھر اسی دن سے اذان دینے کا رواج شروع ہوا اور سب سے پہلی اذان حضرت بلال حبشیؓ نے دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو اذان دینے پر مامور کیا۔ فتح مکہ کے وقت مکہ کی فضاؤں میں پہلی گونجنے والی اذان آپؓ نے ہی دی تھی۔

آپؓ حبشی نسل سے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن ہونے کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خزانچی، عصا بردار اور ذاتی خادم بھی تھے۔ مؤذن کی حیثیت سے انہیں اس وقت عروج حاصل ہوا جب انہوں نے فتح مکہ کے وقت پہلی مرتبہ کعبہ کی چھت پر سے مسلمانوں کو نماز کے لئے بلایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں بھی آپؓ نے مؤذن رہنا منظور کر لیا، مگر حضرت عمرؓ کے زمانے میں آپؓ شام چلے گئے اور باقی زندگی وہیں گزار دی۔

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت بلالؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد اذان دینا چھوڑ دیا تھا۔ اس کے بعد آپؓ نے صرف دو موقعوں پر اذان دی۔ پہلا موقعہ وہ تھا جب حضرت عمرؓ جابیہ تشریف لے گئے۔ اور دوسری بار جب خود حضرت بلالؓ شام سے مدینے کی زیارت کے لئے تشریف لائے۔

آپؓ تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ اور آخر ساٹھ برس سے زائد عمر میں یہ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سچا مسلمان اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔

سختیاں برداشت کیں، ظلم سہے لیکن زبان سے صرف اَحَد اَحَد ہی نکلا۔ بے شک ان ہی خوبیوں کی وجہ سے انؓ کا نام قیامت تک زندہ رہے گا۔ اور آنے والی نسلوں کو دینِ حق پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتا رہے گا۔

دیرینہ مریضوں کے لئے

مژدۂ جانفزا

نامور معالج الحکیم حافظ خوشی محمد صاحب فریضہ حج اور زیارت حرمین شریفین کے بعد واپس تشریف لا چکے ہیں۔ خصوصی تشخیص امراض اور تسلی بخش علاج کے لئے حافظ دواخانہ تشریف لائیں

ناظم حافظ دواخانہ، جی ٹی روڈ، اقبال نگر، ضلع ساہیوال

سفوف جریان

جریان۔ احتلام۔ سرعت انزال و دیگر تمام مردانہ امراض کے لئے بہترین علاج ہے۔

شفائے کان

کان درد اور جملہ امراض کے لئے اکسیر دوا

تیار کردہ: ریاض دواخانہ چنیوٹ

اسد فیض چوہدری

ریلوے کالونی، سمہ سٹہ

حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صحابیٔ رسول

سچے مسلمان

پہلے مؤذن

عرب کے نخلستانوں میں جب اسلام کا سورج طلوع ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو ہر طرف پھیلایا۔ پہلے پہل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن حق کا پیغام جلد ہی دُور دُور تک پھیل گیا۔ اور جاہل عرب حلقہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ یہ دیکھ کر کافروں کے سردار اور بڑے لوگ طیش میں آگئے اور انہوں نے مل کر مسلمانوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ خاص طور پر غلاموں پر بہت ظلم ڈھائے گئے۔ جن کے آقا تو کافر تھے لیکن وہ دینِ حق پر ایمان لے آئے تھے۔

ان کو ہر ممکن طریقہ سے مجبور کیا گیا کہ وہ منکر ہو جائیں، لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ ان غلاموں میں ایک شخصیت حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ بھی تھے، جنہیں تاریخ کے اوراق کبھی بھی فراموش نہ کر سکیں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی، جنہیں ان کی والدہ کی نسبت سے بعض اوقات ابن حمامہ (حمامہ کا بیٹا) کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین مؤذن کی حیثیت سے بھی مشہور ہیں۔ آپؓ کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ آپؓ کا رنگ گہرا سانولا اور جسم دبلا پتلا اور قد لمبا تھا۔ سر پر گھنے بال تھے اور گالوں پر گوشت کم تھا۔

آپؓ مکہ مکرمہ میں سراۃ کے مقام پر قبیلہ بنو جمح میں غلام پیدا ہوئے۔ اسی قبیلے کے کسی مرد یا عورت کے غلام تھے۔ جس کا نام معلوم نہیں ہے۔ بعض روایتوں کے مطابق آپؓ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ حضرت بلالؓ سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ بالغوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد آپؓ ہی نے اسلام قبول کیا۔ تو غلام ہونے کی وجہ سے آپؓ کے آقا نے آپؓ پر بڑی سختیاں کیں۔

آپؓ کے دشمن آپؓ کو آگ میں ڈال دیتے۔ آپؓ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا جاتا۔ آپؓ کو گرم ریت پر ننگا لٹایا جاتا۔ آپؓ کی گردن میں رسی ڈال کر آپؓ کو گلیوں میں کانٹوں پر گھسیٹا جاتا۔ شہر کے شریر لڑکے آپؓ کے گلے میں کپڑا باندھ کر آپؓ کو پہاڑوں میں گھسیٹتے، مگر آپؓ کی زبان پر کلمۂ توحید جاری رہتا۔

کافروں نے آپؓ کو اسلام سے ہٹانے کے لئے آپ پر طرح طرح کے ظلم کئے تاکہ آپؓ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا چھوڑ دیں۔ آپؓ نے مصیبتیں سہنا قبول کیا لیکن اسلام سے منہ موڑنا پسند نہ کیا، اور آخر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپؓ کو خرید کر آزاد کیا۔

نماز باجماعت ادا کرنے اور عبادت کے لئے ایک الگ گوشہ بنانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ایک جگہ کا انتخاب کیا۔ جب اس جگہ کے متعلق معلومات جمع کیں تو پتہ چلا کہ یہ زمین دو یتیم بھائیوں کی ہے۔ جب انہیں آنحضرت کے فیصلے کے متعلق پتہ چلا تو انہوں نے جگہ

گرم ریت پر ننگے لیٹے ہوئے۔ کانٹوں پر گھسٹتے ہوئے،
مصیبتیں جھیلتے ہوئے صرف یہ الفاظ زبان سے نکلتے تھے

"خدا ایک ہے خدا ایک ہے"

حمایت شروع کر دی ہے تو امریکہ کو بھارت نے واویلا کرنے کی پروا کئے بغیر پاکستان کی ہر ممکن اور زیادہ سے زیادہ امداد کرنا چاہیئے تھی مگر ابھی تک وہی زبانی دعووں پر اکتفا کیا جا رہا ہے جس سے پاکستان کی پوزیشن مزید خراب ہو رہی ہے۔

پاکستان کی امداد تو درکنار امریکہ نے تو افغانی مہاجرین کی بھی کوئی امداد نہیں کی۔ وہ لوگ بھی گھاس پھوس کھا کر اور کھلے آسمان کے نیچے رہ کر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ امریکی صدر کارٹر یوں تو انسانی حقوق کے چیمپئن بننے کی کوشش کرتے ہیں لیکن عمل کے میدان میں صفر نظر آتے ہیں۔

اب چینی وزیر خارجہ پاکستان کے دورے پر تشریف لائے ہیں محترم وزیر خارجہ نے کہا ہے کہ پاکستان اور چین کی دوستی کو دنیا کی کوئی طاقت گزند نہیں پہنچا سکتی۔ پاکستانی حکام سے علاقے کی نئی صورتحال پر مذاکرات ہوں گے۔ مذاکرات سے دونوں ملکوں کے درمیان بین الاقوامی صورتحال پر مزید مفاہمت پیدا ہو گی۔

ہم نہایت ادب و احترام سے چینی وزیر خارجہ کی خدمت میں گذارش کریں گے کہ آپ کی تمام باتیں بجا اور درست لیکن پاکستان کو تو اسوقت کھلی اور عملی امداد کی ضرورت ہے۔ پاکستان کے ہمسایہ برادر ملک میں روسی جارحیت کی وجہ سے جو صورتحال پیدا ہو گئی ہے اس سے یقیناً چینی وزیر خارجہ باخبر ہیں۔ کم از کم اس حقیقت سے تو کوئی بھی بے خبر نہیں کہ پاکستان کو پانچ لاکھ افغانی مہاجرین کی پاکستان میں آمد کا سامنا ہے۔ دفاعی ضرورتوں کے علاوہ انسانی بنیادوں پر اس ضرورت کے سلسلے میں چین ایسے پاکستان کے دوست ملک کی طرف سے بھرپور امداد ہونی چاہیئے۔

پاکستان میں آمد کے بعد چینی وزیر خارجہ کو مزید معلوم ہو جائے گا کہ پاکستان کی ضرورتیں کیا ہیں اور وہ کن حالات کا سامنا کر رہا ہے۔ اگر وہ مہاجرین کے کیمپوں کو دیکھنے بھی جائیں گے تو مہاجرین کی حالت زار ان کے سامنے ہو گی۔ پاکستان ایسے غریب ملک سے جو کچھ بن پڑ رہا ہے وہ اس سلسلے میں اپنی سی کوشش کر رہا ہے۔ حکومت کے ساتھ ساتھ پاکستان کے عوام بھی بساط بھر کوشش میں مصروف ہیں مگر ابھی تک عام پاکستانی مسلمان اپنی روایات کے مطابق میدان میں نہیں آئے۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سیاسی عمل نہ ہونے کی وجہ سے سیاسی جماعتیں اور کارکن کھل کر کام نہیں کر سکتے، نا ہی ترغیب و تحریص کا کوئی ذریعہ ہے۔ چھوٹے پیمانے پر اہل دل و مخیر حضرات امداد کر رہے ہیں جو اونٹ کے منہ میں زیرے کے مصداق ہے۔ اس سلسلے میں ہر طرف سے بھرپور امداد کی ضرورت ہے۔

اتحاد اور جہاد:

پچھلے جمعۃ المبارک پر مسجد شہداء لاہور میں جہاد کانفرنس کے عنوان سے مختلف مکاتب فکر کے علماء اور قومی رہنما اکٹھے ہوئے اور افغانستان میں روسی جارحیت سے پیدا شدہ حالات پر تقاریر کی گئیں۔ ان رہنماؤں کی تقریروں کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ قوم کو اپنے معمولی اختلافات بھلا کر امت مسلمہ کو درپیش خطرے کا مقابلہ متحد ہو کر کیا جائے۔ ہر ایک نے آنے والے خطرات کی نشان دہی کی اور اس کا ایک ہی علاج تجویز کیا کہ اتحاد اور جہاد کی اسپرٹ کو زندہ کیا جائے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں عمل وقت کے تقاضے ہیں اور امت میں جب تک اتحاد و جہاد کی اسپرٹ پیدا نہیں ہو گی، یہ امت منزل مقصود کو نہیں پہنچ سکے گی اور غیر مسلم اقوام کی دریوزہ گری کرتی رہے گی۔ انگریز نے برصغیر میں اپنے دور حکومت میں انہی دونوں چیزوں کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کی کوشش کی تھی اور اس مقصد کے لئے اُسے بہت سے پاپڑ بیلنے پڑے تھے۔ اتحاد اور جہاد کو امت مسلمہ سے ختم کرنے کے لئے فرنگی سامراج نے "مجدد" اور "پیغمبر" تک پیدا کرنے سے دریغ نہیں کیا، اور ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اپنی ان کوششوں میں فرنگی سامراج کافی حد تک کامیاب ہوا ہے۔

اگر آج مسلمان اس حقیقت کو سمجھ کر اپنی ان بنیادی کمزوریوں کو دور کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ کامیاب و کامران نہ ہوں۔ گذشتہ دو تحریکوں تحریک ختم نبوت' اور' تحریک نظام اسلام' کے تجربات سب کے سامنے ہیں۔ ان دو تحریکوں میں عارضی اتحاد اور وقتی روح جہاد نے کیا روح پرور اور ایمان افروز مناظر نہیں دکھائے اور اگر امت مسلمہ پوری کی پوری ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے اندر اتحاد اور روح جہاد پیدا کرے تو پھر کس قدر کامیابی ہو گی۔

اس کے اندر منافقت دو عملی اور دوغلے پن کو چھوڑنا ہو گا۔ بعض رہنما عوامی اجتماعات میں تو 'اتحاد' 'اتحاد' کا راگ الاپتے ہیں اور در پردہ اتحاد کے خلاف کام کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر وہ فروعی مسائل میں الجھا کر قوم کو نہ لڑائیں تو ان کے پیٹ کے دوزخ کو ایندھن فراہم نہیں ہوتا۔ ان رہنماؤں نے مسلمانوں کو اسلام کے بنیادی مسائل سے غافل کر کے فروعی اور غیر ضروری مسائل میں اسقدر الجھا دیا ہے کہ دن بدن عمل کے میدان میں مسلمان پست سے پست تر ہوتے جا رہے ہیں۔

ہم ان رہنماؤں سے گذارش کریں گے کہ خدارا امت کے حال پر رحم کیجیئے اور ذاتی اغراض کی خاطر انتشار و افتراق کی راہ ہموار نہ کیجیئے۔ اسی میں سلامتی ہے اور اسی میں عافیت۔ وقت کی آواز کو سن کر عمل کرنے کی کوشش کیجیئے۔ وقت گذرنے کے بعد پشیمانی اور پچھتاوے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

اکرام القادری

۱۹-۱-۸۰

حافظ ارشاد احمد دیوبندی

بانی دارالعلوم دیوبند
حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

(آخری قسط)

شائد قدرت کو یہی منظور تھا کہ دارالعلوم انگریز سامراج کے دور میں قائم ہوا اور آج بھی دارالعلوم غیر مسلم حکومت کے نگر میں ہے مگر الحمدللہ روزِ اوّل کی طرح اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ روز افزوں نما ترقی اور عروج حاصل کرتا جارہا ہے۔ یہ بھی قدرت کا ایک عظیم الشان معجزہ اور حضرت نانوتوی بانی دارالعلوم رحمۃ اللہ علیہ کے خلوص کا مظہر ہے کہ دارالعلوم دیوبند اپنے یوم تاسیس سے لے کر آج تک کتنی تحریکوں اور مخالف حکومتوں کے باوجود قائم ہے اور اس کی نگرانی خود قدرت کے ہاتھ میں ہے۔ اسلام کی مخالفت کے باوجود قال اللہ اور قال الرسول کی آواز بلند کرنے والی اس بہت بڑی یونیورسٹی کی اللہ تعالےٰ نے دیارِ غیر میں خود نگرانی اور اپنی حفاظت میں اس کا انتظام بالکل محفوظ رکھا ہوا ہے۔ یہ عظیم اعزاز بھی دارالعلوم کے لئے بہت بڑا اعزاز ہے ورنہ کہاں یہ درویش بوریا نشین اور کہاں ایسی حکومتیں جو اسلام کے نام کو بھی کم از کم برداشت نہیں کر سکتیں مگر بقول محترم قائد احرار جناب ماسٹر تاج الدین صاحب انصاری رحؒ:

"خدا جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے
وہ جس سے جو کام چاہے لے
لیتا ہے۔ وہ قادر مطلق ہے چاہے
تو تنکے سے شہتیر کا کام لے لے۔
اس کے کاموں میں کسی کو دخل
نہیں ہوتا۔"

بظاہر دارالعلوم ہر لحاظ سے بالکل بے سروسامانی کی حالت میں قائم ہوا اور اب تک بھی اسی طرح کسی حکومت کی اس کو سرپرستی حاصل نہیں، مگر دارالعلوم کے عروج میں بھی ایک پوری صدی سے بھی زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود کوئی کمی واقع نہیں ہوئی الحمدللہ علیٰ ذالک تو دارالعلوم کے اس پس منظر کی روشنی میں دیکھا جائے تو واقعی قائد مرحوم کا یہ فرمان بالکل بجا معلوم ہوتا ہے۔ قادر مطلق نے بانی دارالعلوم رحؒ اور آپ کے ساتھیوں سے جو بالکل درویش صفت آدمی تھے کیا عظیم الشان کام لیا جو اسلامی حکومتیں بھی ہر قسم کی فراوانی اور اسباب سلطنت کے باوجود ایسے کام سے عاجز رہیں۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء اس مقدس ادارہ مادرِ علمی نے بلا مبالغہ ہزاروں محدث مفسر۔ فقیہہ۔ مؤرخ۔ ادیب۔ مقرر۔ واعظ۔ شاعر۔ اہل قلم۔ مدبر۔ مفکر دانشور اور پختہ کار سچے سیاستداں پیدا کئے ہیں۔

اس دور میں اگر علماء دیوبند میدان میں نکل کر علوم حدیث و تفسیر پر کام نہ کرتے تو بلاشبہ آج مشرقی ملکوں میں بھی ان علوم پر زوال آ چکا ہوتا، اس لئے کہ دسویں صدی ہجری سے ممالک اسلامیہ مصر۔ شام۔ ترک۔ یمن اور عراق وغیرہ میں آثار ضعف ظاہر ہو کر ۱۳ ویں صدی ہجری میں یہ اضمحلال عروج و انتہا پر پہنچ چکا تھا۔ حضرت نانوتوی کے اولوالعزم کارناموں نے برصغیر کیا ساری دنیا کے نقشے کو بدل کر رکھدیا اور آج شہروں کو چھوڑ کر دیہاتوں میں بھی قال اللہ تعالیٰ اور قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آوازیں گونج رہی ہیں، جو کہ یہ سارا فیض حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے منتقل ہو کر بانی دارالعلوم دیوبندؒ کے ذریعہ علمائے دیوبند کے طفیل ہی پھیلا ہے حقائق کی نگاہ سے دیکھئے اور موازنہ کیجئے کہ حدیث شریف کی ایسی کوئی کتاب نہیں جس کی شرح علماء دیوبند کے کسی فرد نے نہ لکھی ہو بلکہ بعض کتب احادیث کی ایک کتاب کی کئی کئی شرحیں ان حضرات کی تصنیفات میں سے ہیں۔ پھر تفاسیر کو ملاحظہ فرمائیے تو کتنی تفاسیر درجنوں کی تعداد میں علما نے دیوبند کی محنت سے ہمارے پاس موجود ہیں۔ علم فقیہہ کو ملاحظہ فرمائیے تو فقہ کی جمیع کتب کی بہترین تحقیق کے ساتھ شرحیں بھی علمائے دیوبند کے محقق قلم سے ہمارے پاس بطور ذخیرہ موجود ہیں۔ غرضیکہ نحو ادب۔ منطق۔ فلسفہ وغیرہ سب علوم کی خدمت علمائے دیوبند نے بڑی محنت شاقہ سے سرانجام دی ہیں۔ غرضیکہ ملک و ملت کی جمیع خدمات میں ان بزرگان دیوبند کا بہت بڑا حصہ ہے۔

ے سیاست معرفت انسانیت کے سب مسائل ہیں
جہاں دیکھو گے جب دیکھو گے پاؤ گے وہاں ہمکو
زمانے نے مٹانے میں اگرچہ کی ہے بے باکی
ہر اک منزل میں پاؤ گے نشانِ جاوداں ہمکو

انگریز سامراج کی سمت۔ آٹھ۔ ڈیڑھ بڑی ہوشیار تھی مگر حضرت نانوتوی مرحوم جیسے سچے درویش صفت سیدھے سادے انسان سے بڑی ذلت کے ساتھ شکست کھائی تھی۔ منقول ہے کہ:

ایک بار حضرت مرحوم کو گرفتار کرنے کے لئے ایک بڑا سامراجی گروپ بھیجا اتفاقاً حضرت رح سے ان کی ملاقات ایسے وقت ہوئی جبکہ کوئی دوسرا آدمی موجود نہ تھا۔ انہوں نے حضرت نانوتوی مرحوم سے دریافت کیا کہ "مولانا محمد قاسم نانوتوی کہاں ہیں؟" آپ رح نے دو قدم پیچھے ہٹ کر فرمایا "ابھی تو یہیں تھے"۔

؎ آہ یہ عشاق گئے وعدہ فردا لیکر
اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لیکر

دار العلوم کی

پہلی مجلس شوریٰ

مندرجہ ذیل حضرات جنکے اسماء گرامی درج ذیل ہیں، دار العلوم دیوبند کی پہلی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔

۱۔ حجۃ الاسلام بانی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح
۲۔ عارف باللہ فقیہ النفس امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح
۳۔ حضرت حاجی محمد عابد صاحب رح
۴۔ حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب رح (والد ماجد حضرت شیخ الہند رح)۔
۵۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دیوبندی رح۔
۶۔ منشی فضل حق صاحب رح

حضرات مہتمم صاحبان

۱۔ حضرت سید حاجی محمد عابد صاحب رح
۲۔ شاہ رفیع الدین صاحب رح
۳۔ منشی فضل حق صاحب
۴۔ مولانا محمد منیر صاحب
۵۔ مولانا حافظ محمد احمد صاحب رح

> آپ نے دو قدم پیچھے ہٹ کر فرمایا:
> "ابھی تو یہیں تھے"

۶۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب
۷۔ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رح اور
۸۔ جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب۔

حضرات صدر مدرسین

۱۔ حضرۃ مولانا محمد یعقوب صاحب رح
۲۔ مولانا سید احمد صاحب دہلوی رح
۳۔ حضرۃ شیخ الہند مولانا محمود حسن رح
۴۔ شیخ المحدثین حضرت مولانا علامہ السید محمد انور شاہ کشمیری رح
۵۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد صاحب مدنی رح

حضرۃ شیخ الاسلام مولانا مدنی رح کے بعد صدارت کے دو حصے کر دیئے گئے۔ ایک صدر مدرس، اور دوسرا شیخ الحدیث چنانچہ شیخ الحدیث حضرۃ مولانا سید فخر الدین صاحب مرادآبادی رح اور صدر مدرس حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب انصاری رح مقرر ہوئے۔ مصنف علمائے حق نے علمائے دیوبند کے تین طبقات ذکر فرمائے ہیں۔ طوالت کے باعث ہم ان کے اسمائے گرامی درج کرنے سے تو قاصر ہیں البتہ مختصراً طبقات کی تاریخیں درج کرتے ہیں۔

طبقاتِ اکابر

دار العلوم دیوبند

پہلا طبقہ از ۱۲۷۰ھ، ۱۸۵۷ء تا محرم ۱۲۸۳ھ، ۱۸۷۲ء قیام دار العلوم دیوبند۔ دوسرا طبقہ از ۱۲۸۳ھ، ۱۸۷۲ء تا ۱۲۷۹ھ، ۱۸۸۴ء۔

تیسرا طبقہ از ۱۲۹۷ھ، ۱۸۸۲ء تا ۱۳۴۹ھ، ۱۹۲۰ء۔

اس لحاظ سے اکابر علماء دار العلوم کا ایک چوتھے طبقے کا وجود بھی نکل آتا ہے جو ۱۳۴۹ھ، ۱۹۲۰ء سے لے کر تاہنوز بفضل خدا کام کر رہا ہے اور اسی طبقہ عالیہ جس کی قیادت مہتمم صاحب حضرۃ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم فرما رہے ہیں جو کہ حضرت بانی دار العلوم مرحوم کے بڑے پوتے ہیں اور اب آپ کی زیر نگرانی ۲۱۔ ۲۲ اور ۲۳ مارچ ۸۰ء کو دار العلوم دیوبند میں صد سالہ جشن منایا جا رہا ہے۔

فرزندانِ دار العلوم دیوبند کا ملی فریضہ ہے کہ خواہ وہ کسی خطے یا ملک میں رہتے ہوں خصوصاً پاکستان اور بنگلہ دیش کے احباب اس جشن صد سالہ میں ضرور شریک ہوں۔ اس اجلاس کی بڑی روحانی برکات بھی ہیں جو بعد میں معلوم ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بزرگانِ دیوبند کی زیارت کے شرف سے مشرف فرمائے اور مرحوم اکابر کے مراقد مبارکہ پر بھی حاضری کی توفیق بخشے۔

؏ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

سلوک و تصوف

حضرۃ حجۃ الاسلام بانی دار العلوم اگرچہ دست بیعت ہونے سے قبل ہی ذکر اللہ میں ہمہ اوقات مشغول رہتے اور آپ کا قلب مبارک بھی ذکر اللہ میں مشغول ہو گیا تھا مگر آپ کا دل لگاؤ اس وقت کے

عارف باللہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کی طرف تھا اور فرماتے تھے کہ: "حضرت حاجی صاحبؒ کا کوئی تقویٰ کی وجہ سے معتقد ہے، کوئی کرامت کی وجہ سے، میں حضرتؒ کے علم کی وجہ سے معتقد ہوں۔"

(قصص الاکابر)

آپ نے مرید ہونے کے بعد نہایت سخت ریاضت اور مجاہدات کئے۔ چنانچہ حضرۃ مولانا محمد یعقوب صاحب مرحوم نے لکھا ہے کہ:

"مولوی صاحب ایسے جفاکش تھے کہ رات کو جب ضرورت نہانے کی ہوتی تو مسجد میں گرم پانی ہوتا تھا اور تہجد کے وقت نہاتے، مگر شرم کے باعث تالاب میں جاکر نہاتے۔ یہ کڑاکے کا جاڑا اور پالا اور مولوی صاحب تالاب میں نہائیں۔ مولوی صاحب نے ریاضتیں ایسی کی ہیں کہ کیا کوئی کرے گا۔ اشغال دشوار جیسے حبس دم اور سہ پایہ مدت تک کئے ہیں اور بارہ تسبیح اور ذکر اللہ کا دوام تھا ہمہ سر کے بال بھی شدت حرارت کے باعث اڑ گئے تھے۔ الخ... ص"

خود حضرت حاجی صاحبؒ کا اپنا قول ہے کہ:

"اگر حق تعالیٰ مجھ سے دریافت کرے گا کہ امداد اللہ تو کیا لے کر آیا تو میں مولوی رشید احمد صاحبؒ اور مولوی محمد قاسم صاحبؒ کو پیش کردوں گا کہ یہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔ الخ" (تذکرۃ الرشید)

مگر متعدد خوبیوں اور ریاضت میں درجہ کمال کا حصول پھر اپنے شیخ حضرت حاجی صاحبؒ سے اجازت بیعت کے باوجود آپؒ بیعت نہیں فرمایا کرتے تھے۔ متعدد حضرات نے بیعت کی درخواست کی مگر آپ ٹال دیتے تھے۔ اسی سلسلہ میں حکیم الامت مجدد ملت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک واقعہ نقل فرمایا ہے جو ایک بہترین لطیفہ بھی ہے کہ "ایک صاحب نے آپ کی خدمت میں شکر بطور ہدیہ پیش کی جسے آپ نے قبول فرمالیا۔ دوسرے دن اس نے آکر عرض کیا کہ مجھے بیعت کر لیجئے۔" فرمایا میں تو بیعت کرتا نہیں ہوں، کسی دوسرے کے پاس جا کر بیعت ہو جاؤ۔" اس نے عرض کیا تو پھر میری شکر واپس کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا بھائی اس کی شکر لا کر دے دو! جب شکر آئی تو اس آدمی نے عرض کیا میں تو اپنی وہی شکر لوں گا۔ آپ نے فرمایا وہ ہم نے استعمال کر لی ہے۔ اس نے کہا پھر مجھے بیعت کر لیجئے تو آپؒ اب مجبور ہو گئے تب حضرت نانوتویؒ نے مجبوراً بیعت کیا۔"

(قصص الاکابر)

اس قسم کے اور بہت سے واقعات میں سے ایک مشہور واقعہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ مولانا محمد صدیق صاحبؒ نے حضرۃ نانوتویؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر بیعت کی درخواست کی۔ حضرۃؒ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس قابل کہاں؟ آپ فلاں فلاں بزرگوں میں (نام لے کر) بیعت ہو جائیں۔ ان میں سے ایک نام حضرت شیخ محمد صاحب تھانویؒ کا بھی تھا مگر مولانا محمد صدیق صاحبؒ نے ہر بار یہی عرض کیا کہ میں حضرت ہی سے بیعت ہوں گا۔ حضرۃ والا مرتبتؒ نے فرمایا کہ بھائی آپ حضرت مولانا گنگوہیؒ سے بیعت ہو جائیں مگر اس صاحب نے اصرار کر کے کہا کہ حضرتؒ میں تو آپ ہی سے بیعت ہوں گا — حضرۃ نانوتویؒ نے فرمایا کہ میں بھی مولانا گنگوہیؒ کا ہی معتقد ہوں۔ اس نے کہا کہ حضرۃ مجھے آپ کے اعتقاد سے کیا مجھے تو اپنا اعتقاد کارآمد ہوگا۔ اسی طرح ہفتہ عشرہ ایام تک آپ نے بیعت نہ کیا برابر ٹالتے رہے مگر وہ صاحب بھی جمے رہے۔ آخر میں حضرت نانوتوی قدس سرہٗ نے ازراہ انکساری فرمایا،

یہ شیطان کا دھوکہ ہے جب وہ کسی ہونہار کو دیکھتا ہے اور کچھ بن نہیں آتا تو ایسی جگہ پھنسا دیتا ہے جسے کچھ نہ آتا ہو (یعنی اپنی طرف اشارہ کیا)۔

غرض بہت بڑی سفارشوں کے بعد بڑی مشکل سے بیعت فرما لیا۔ (دار العلوم دیوبند بابت ماہ فروری ۱۹۵۶ء)۔

یہ بھی آپ کی عادت مبارک تھی کہ جب بھی کسی کامل کو خلافت بیعت عطا فرماتے تو یوں فرماتے کہ آپ کو حضرۃ حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ کی طرف سے بیعت کرنے کی اجازت ہے (اللہ اکبر)

○ اس میں قاسمؒ ہوں کہ انور شاہؒ کہ محمودالحسنؒ
سب کے دل تھے دردمند اور سب کی نظر ارجمند
(ظفر علی خاںؒ)

○ محمودؒ ہو حسینؒ ہو قاسمؒ ہو یا رشیدؒ
روشن ان ہی سے نام ہے دار العلوم کا
(اکرام القادری)

مصر کے عالم دین کا خراج

حضرت شیخ الازہر عبدالمنعم صاحب نے دیگر علماء دیوبند کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے حضرت بانی دار العلومؒ کو ان الفاظ خراج عقیدت پیش کیا ہے فرماتے ہیں کہ:

حضرۃ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ایک جید عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مرد مجاہد بھی تھے جنہوں نے مجاہدین کی قیادت بھی کی انگریزوں سے مقابلہ بھی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی لئے پیدا کیا تھا کہ جنگ وجدل کے

بھڑکتے ہوئے شعلوں میں بھی مسلمانوں کی قیادت کرتے اور صلح و امان کے زمانے میں بھی انقلاب کی ناکامی کے بعد آپ نے اپنی بقیہ عمر دیوبند میں گذاری جہاں آپ کے عزیز و اقارب بھی موجود تھے۔ اسی قصبے میں آپ نے ایک دینی مدرسے کی داغ بیل بھی ڈالی۔ اس زمانے کے عام علماء کی پالیسی یہی تھی کہ جہاں تک ہو سکے دینی تعلیم پر زور دیا جائے اور اسے عام کیا جائے جو مغربی تعلیم سے الگ تھلگ فقط علوم عربیہ کی حامل ہو۔ اس نظریہ پر سختی سے عمل کیا گیا اور مغربی نظریہ کو ٹھکرا دیا گیا۔ علماء کی نظر میں ہر وہ چیز کھٹکتی جو انگریز پیش کرتے اور ہر اس شے کو شبہ کی نظر سے دیکھتے جسے سامراج یورپ کی منڈیوں سے خرید لاتے۔ تعلیم۔ تقلید۔ لباس کے علاوہ ہر اس چیز سے نفرت کرتے جس میں مغربیت کی ذرا سی بو محسوس ہوتی جو ان کے تمدن و معاشرت تہذیب و کلچر سے متشابہ ہوتی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ مسلمانوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ انگریزوں سے بالکل کنارہ کش رہیں تاکہ ان کو اس کا موقع بھی نہ ملے کہ اسلام اور مسلمانوں میں اپنے خیالات و افکار ڈال کر ایمان کو متزلزل کر سکیں۔ اسی نظریہ کو لے کر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ان کے ہم خیال علماء نے دیوبند کی ایک چھوٹی سی مسجد میں جو آج بھی موجود ہے اور "مسجد چھتہ" کے نام سے مشہور ہے ایک انار کے درخت کے نیچے جو دروازہ سے متصل مسجد کے صحن میں اب تک موجود ہے ایک دینی مدرسہ کی رسم افتتاح ادا کی جس کا کل سرمایہ ایک مدرس ملا محمود اور ایک طالب محمود حسن (حضرت شیخ الہندؒ)۔ پھر آگے چل کر حضرت شیخ الہندؒ نے پہلی عالمگیر جنگ سے کچھ پہلے ہندوستان کو آزاد کرانے کی تحریک بڑے اونچے پیمانے پر اٹھائی تھی جس کی وجہ سے انگریزوں نے انہیں قید کر کے مالٹا بھیجا۔ آپ وہاں سے جنگ ختم ہونے کے بعد ہندوستان واپس آئے۔ ان کی عظمت و شخصیت کا تقاضہ ہے کہ ان کا نام آئے تو ہم تھوڑی دیر اپنی جسمانی مشینری کو روک کر ان کے آثار علمیہ اور دینیہ پر نظر کریں جو سرزمین ہند پر بکھرے ہوئے ہیں اور جب تک مسلمان موجود رہیں گے انہیں باقی رکھیں گے۔"

پھر حضرت شیخ عبد المنعم صاحب نے آپ کی مختصر سوانح بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

"ان آثار علمیہ کے علاوہ آپ نے بہت سی قیمتی کتابیں چھوڑی ہیں جن کے مضامین ادق اور عبارتیں بہت اونچی ہیں۔ بڑے بڑے علماء عرق ریزی کے بعد بھی مشکل ہی سے ان کے مطالب کی تہ تک پہنچتے ہوں گے ..... وہ مکتب جس کی بنیاد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے رکھی تھی آج ایک صدی گذرنے سے پہلے ہی ایک یونیورسٹی کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ مسجد چھتہ سے متصل ۲۰ فدان (ایک فدان چار سو گز کا ہوتا ہے) کی لمبائی چوڑائی میں پھیلی ہوئی جامعہ کی عمارت اپنی عظمت کا مظاہرہ کر رہی ہے۔"

ہم نے صرف ایک راہنما کا خراج عقیدت اور اس کا بھی صرف نصف حصہ نقل کیا ہے، ورنہ آپ کو ہر مکتب فکر کے بڑے بڑے علماء اور مفکرین نے بڑے عمدہ الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے مگر مضمون کافی طویل ہوتا جا رہا ہے اس لئے ہم نے باقی زعمائے ملک و ملت کی آراء کو قلم زن کر دیا ہے مگر

ع آفتاب آمد دلیل آفتاب

کی مانند اس آفتاب علم و عمل سے متعلق کسی کی آراء کو کیا دخل۔ المختصر یہ کہ حضرت بانی دارالعلومؒ اور آپ کے ہمخیال علماء یا آپ کے فضلاء و تلامذہ بقول حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی اکابر دیوبند کیا تھے؟ اس کا جواب مختصر لفظوں میں یوں بھی دیا جا سکتا ہے کہ وہ خیر القرون کی یادگار تھے۔ سلف صالحین کا نمونہ تھے۔ اسلامی مزاج و مذاق کی جیتی جاگتی تصویریں تھے، لیکن ان مختصر جملوں کی تشریح و تفصیل کرنے بیٹھیں تو اس کے لئے دفتر کے دفتر بھی ناکافی ہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ ان کی خصوصیات کو لفظوں میں سمیٹنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے، اس لئے کہ ان کی خصوصیات کا تعلق درحقیقت اس مزاج و مذاق سے ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی سیرتوں اور ان کے طرز زندگی سے مستنبط تھا اور مزاج و مذاق وہ چیز ہے جسے محسوس تو کیا جا سکتا ہے لیکن الفاظ کے ذریعہ ٹھیک ٹھیک بیان نہیں کیا جا سکتا جس طرح گلاب کے پھول کو سونگھا تو جا سکتا ہے لیکن اس کی پوری کیفیت کو الفاظ میں ڈھالنا ممکن نہیں۔ اسی طرح ان حضرات کے مزاج و مذاق کو ان کی صحبتوں اور ان کے واقعات سے سمجھا جا سکتا ہے مگر اس کی منطقی تعبیر ناممکن ہے ..... اگر صرف وسعت مطالعہ، قوت استعداد اور کثرت معلومات کا نام علم ہو تو یہ صفت آج بھی ایسی کمیاب نہیں لیکن اکابر دیوبند کی خصوصیات یہ ہیں کہ علم و فضل کے سمندر سینے میں جذب کر لینے کے باوجود ان کی تواضع، فنائیت اور للہیت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ یہ محاورہ زبان زد عام ہے کہ پھلوں سے لدی ہوئی شاخ ہمیشہ جھکتی ہے لیکن ہمارے

زمانے میں اس محاورے کا عملی مظاہرہ جتنا اکابر دیوبند کی زندگی میں نظر آتا ہے اور کہیں نہیں ملتا۔ چند واقعات ملاحظہ فرمائیے:

بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرۃ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحؒ کے علوم بحر ناپیداکنار تھے۔ ان کی تصانیف آب حیات تقریر دلپذیر، قاسم العلوم اور مباحثہ شاہ جہاں پور وغیرہ سے ان کے مقام بلند کا کچھ اندازہ ہوتا ہے اور ان میں بعض تصانیف تو ایسی ہیں کہ اچھے اچھے علماء کی سمجھ میں نہیں آتیں (چہ جائیکہ عام لوگ تحذیر الناس کی ادق عبارت حصہ ختم نبوت پر بحث کریں)۔ (راقم عفاء اللہ عنہ) حد یہ ہے کہ ان کے ہم عصر بزرگ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحؒ کا یہ جملہ دارالعلوم میں معروف تھا کہ:

"میں نے آب حیات کا چھ مرتبہ
مطالعہ کیا ہے اب وہ کچھ کچھ
سمجھ میں آئی ہے"۔

اور حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحؒ فرماتے ہیں کہ:

اس بھی مولانا نانوتوی رحؒ
کی تحریر میری سمجھ میں
نہیں آتی اور زیادہ غور د
خوض کی مشقت مجھ
سے برداشت نہیں ہوتی
اس لئے مستفید رہنے سے
محروم رہتا ہوں اور اپنے
دل کو یوں سمجھا لیتا ہوں
کہ ضروریات کا علم حاصل کرنے
کے لئے اور سہل سہل
کتابیں موجود ہیں پھر
کیوں مشقت اٹھائی
جائے۔ (اشرف السوانح)

ایسے وسیع و عمیق علم کے بعد بالخصوص جبکہ اس پر عقلیات کا غلبہ ہو عموماً علم و فضل کا زبردست پندار پیدا ہو جایا کرتا ہے لیکن حضرت نانوتوی رحؒ کا حال یہ تھا کہ خود۔۔۔۔ فرماتے ہیں:

"جس طرح صوفیوں میں بدنام ہوں اسی طرح مولویت کا دھبہ بھی مجھ پر لگا ہوا ہے اس لئے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ اگر یہ مولویت کی قید نہ ہوتی تو قاسم رحؒ کی خاک کا بھی پتہ نہ چلتا۔ (ارواح ثلاثہ)

چنانچہ ان کی بے نفسی کا عالم یہ تھا کہ بقول حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی رحؒ:

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحؒ
جس طالب علم کے اندر تکبر دیکھتے
تھے اس سے کبھی کبھی جوتے
بھی اٹھوایا کرتے تھے اور جس
کے اندر تواضع دیکھتے اس کے جوتے
خود اٹھا لیا کرتے تھے (اللہ اکبر)

(دارالعلوم دیوبند نمبر)

وفات:

۱۲۹۷ھ ۱۸۷۹ء میں حضرت نانوتوی رحؒ کی وفات ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۴۹ سال تھی۔ وفات سے متعلق بھی کتب میں بڑے واقعات منقول ہیں مگر ہم اختصاراً سے عرض کرتے ہیں۔ آپ کی بیماری کے دنوں میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحؒ جو دیوبند میں بڑے محقق عالم دین اور بزرگ آدمی تھے۔ چونکہ آپؒ مولانا مملوک علی صاحب رحؒ کے جانشین اور فرزند اکبر تھے مولانا مملوک علی صاحب رحؒ حضرۃ نانوتوی رحؒ سمیت سب بزرگوں کے استاد تھے۔ اس لئے مولانا محمد یعقوب رحؒ بہت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ چونکہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحؒ کو کشف کرامات بھی بڑی کثرت سے ہوا کرتی تھیں اس لئے حضرۃ نانوتوی رحؒ کے متعلق بھی آپ نے بارگاہ الٰہ میں درخواست کی کہ میری عمر کا ایک حصہ حضرت نانوتوی رحؒ کو بخش دیا جائے، تو آپ نے ایک غیبی آواز سنی "مہدی۔ مہدی" تو آپ نے فرزندانِ دیوبند کو خوشخبری سناتے ہوئے فرمایا کہ ابھی مولانا مرحوم کی عمر میں دس سال مزید رہتے ہیں مگر افسوس کہ مولانا رحؒ کچھ مدت کے بعد فوت ہوگئے جب مولانا محمد یعقوب رحؒ سے دریافت کیا گیا کہ حضرت رحؒ آپ نے تو فرمایا تھا کہ مولانا نانوتوی رحؒ مزید دس برس دنیا میں رہیں گے؟ تو مولانا محمد یعقوب رحؒ نے جواباً فرمایا کہ:

مجھے غلطی ہوگئی تھی میں
نے لفظ 'مہدی' سنا تھا اور مہدی
کے ابجد کے لحاظ سے ۵۹
عدد بنتے ہیں۔ حضرت رحؒ کی عمر اس
وقت ۴۹ برس تھی۔ میں
نے اندازہ لگایا کہ آپ رحؒ دس سال
مزید دنیا میں رہیں گے۔ مگر
حضرت مہدی علیہ السلام کی عمر
بھی ۴۹ سال ہوگی' اس لئے
غیبی آواز لفظ مہدی کا مطلب یہ
تھا کہ جس طرح حضرت امام مہدی
علیہ السلام کی عمر ۴۹ برس ہے
اسی طرح حضرت نانوتوی رحؒ کی
عمر بھی ۴۹ برس ہے۔

"اس بہت مختصر سی عمر میں آپ نے جو کارہائے عظیم نمایاں طور پر انجام دیئے ان کو بیان کرنے کے لئے بڑی ضخیم کتب بھی عاجز ہیں چہ جائیکہ میرے ایسا طالب علم آدمی جسارت کر کے کچھ لکھ سکے۔ بہرحال بہت اختصار کے ساتھ آپ کی زندگی کے معمولات میں سے خلاصہ کے طور پر چند نمونے آپ حضرات کی خدمت اقدس میں پیش کر کے مصر کی اس روایتی اور تاریخی بڑھیا کی مانند اپنا نام خریدارانِ قاسمی میں شمار کرایا ہے اور بس وباللہ التوفیق ؎

گونجے گا چار کھونٹ میں نانوتوی رحؒ کا نام
بانٹا ہے اس نے بادۂ عرفان مصطفیٰ

(شورش کاشمیری رحؒ)

ترتیب و تحریر: بخاری فاضل حقانی
نثار جعفر خان بنوں

مجلس تحفظ ختم نبوت کانفرنس کی چنیوٹ اور ربوہ نشست

تقریباً ہر سال مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام مرکزی سطح پر ایک عظیم الشان کانفرنس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس سال کانفرنس نہایت اہمیت کی حامل رہی۔ کانفرنس سے ملک بھر سے آئے ہوئے خصوصی رہنماؤں کے علاوہ سعودی عرب کے نمائندہ خصوصی شیخ محمد اسمٰعیل بن عتیق نے بھی خطاب کیا۔ اس موقعہ پر نماز جمعہ کی نشست جو کہ جامع مسجد محمدیہ ربوہ میں منعقد ہوئی۔ اس اہم نشست کو ربوہ کی تاریخ میں ایک عظیم الشان مسلم اجتماع قرار دیا گیا۔ جامع مسجد محمدیہ ربوہ میں خطبہ جمعہ سے خطاب کرتے ہوئے مہمان خصوصی شیخ محمد اسمٰعیل بن عتیق نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ موضوع ختم نبوت پر اس اجتماع میں شریک ہونے کو اپنے لئے ایک عظیم سعادت سمجھتا ہوں۔ اسلام کے نام پر غیر مسلم اقلیت کو مکمل جد وجہد سے ختم کرنے پر پاکستانی بھائیوں کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ مرزائیوں کا   فرقہ مسلمانوں پر کبھی اثر انداز نہیں ہوگا۔ اگر یہ   فرقہ اسلام کا نام استعمال نہ کرتا تو آج اس کا نام ونشان بھی نہ ہوتا۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے دین اور اپنے خاص نظریات پھیلانے کے لئے افریقہ میں سادہ مسلمانوں کو اسلام کے نام سے دھوکہ دے کر گمراہ کیا ہے۔ الحمدللہ کہ علماء نے ہر موقع پر انکا پیچھا کیا اور لوگ مسلمان ہو کر صحیح دین کی طرف لوٹ آئے۔ آپ کے ملک پاکستان میں غیر مسلم اقلیت کی جو قرارداد منظور ہوئی وہ علماء اور مجاہدین کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ پاکستان کو شریعت اسلامی کی ترویج کے لئے علیحدہ کیا گیا۔ لیکن سن کر افسوس ہوتا ہے کہ پاکستان ۴۷ء میں بنا جبکہ یہ قرارداد تیس سال بعد صادر ہوئی جو کہ پہلے سال ابتدائی دور قیام میں صادر ہونی چاہئے تھی اور ظاہر بات ہے کہ یہ تیس سال اس لئے گزرے کہ انگریز جب اس ملک سے چلے گئے تو یہاں اپنے خاص لوگ چھوڑ دیئے جو کہ ان لوگوں کی حفاظت کرتے رہیں جیسا کہ انگریز کی ہمیشہ سے یہ پالیسی رہی ہے سکھوں کو بھی مسلمانوں کے ساتھ لڑاتا رہا   سکھوں کے عقائد باطلہ ظاہر تھے جبکہ یہ فرقہ اسلام کا دعویٰ کرتا ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے آپ سب سے گزارش کرتا ہوں جیسا کہ آپ اس مسئلہ کے لئے متحد ہوئے اس طرح ہر سازش کے مقابلہ کے لئے مضبوط دیوار بن کر مقابلہ کریں۔

برادران اسلام! عالم اسلام کے مسلمان آپ کی طرف اور آپ کے ملک کی طرف نظر اٹھاتے ہیں کہ وہ کیا کریں گے۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ حکومت عوام کی حکومت ہے۔ اگر عوام اچھے ہوں تو اس کا اثر حکومت پر بھی پڑے گا۔ تاریخ شاہد ہے کہ پاکستانی عوام نے ہر موقعہ پر قربانیاں دی ہیں۔ تاریخ اسے کبھی فراموش نہیں کرے گی۔ کتنے ہی علماء اور لیڈر گزرے ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی خیر کی طرف رہنمائی کی ہے اور آئندہ بھی امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی خیر کی طرف راہنمائی کرنے والے ارباب سیادت مہیا کرے۔ جیسا کہ مجلس تحفظ ختم نبوت کا جذبہ اور اخلاص ہے۔ ربوہ میں مسلمانوں کی یہ مسجد قیامت کے دن ان لوگوں پر حجت ہوگی کیونکہ ان لوگوں نے کلمۂ اسلام سن لیا ہے۔ ان لوگوں کے لئے قیامت کے دن کوئی حجت نہیں ہوگی۔ اور مجھے امید ہے کہ اس مسجد کے بعد یہاں ایک اسلامی یونیورسٹی قائم ہوگی جو اسلام کا پیغام دنیا کے کونے کونے تک پہنچائے گی۔ آپ حضرات حالات سے واقف ہیں   سعودی حکومت نے باطل فرقوں کے تعاقب کے لئے کام شروع کر دیا ہے جبکہ اس   کے خلاف خصوصی طور پر وہاں کے علماء بیدار ہیں۔ وہ ہر وقت ہر فتنے کے خلاف تدابیر اور عملی قدم میں لگے رہتے ہیں۔ سعودی حکومت کے اقدامات کسی پر بھی مخفی نہیں۔

آخر میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ

بقیہ ص ۲۰ پر

عبدالسمد صارم الازہری

ساری کائنات مربوط ہے

کائنات کی ہر ایک چیز دوسری کے ساتھ مربوط ہے۔ کڑی سے کڑی ملی ہوئی ہے، اور سلسلہ بسلسلہ ہے جیسے ایک لڑی میں موتی پروئے ہوئے ہوں۔ کوئی چھوٹا ہو، کوئی بڑا، کوئی کسی رنگ کا تو کوئی کسی رنگ کا، اختلاف ہوتے ہوئے بھی اتحاد ہے اور بظاہر منتشر ہیں مگر ایک ہیں۔

عالم بالا کا عالم اسفل سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ اگر کوئی ستارہ دن میں روشنی اور حرارت پہنچاتا ہے تو دوسرا رات کو نور و برودت پہنچاتا ہے۔ ایک دن کے وقت گرمی عمل پیدا کرتا ہے تو دوسرا سرد و سکون۔ سارے ستارے سرگرم عمل ہیں، اور اپنی مختلف روشنیوں اور خواص سے عالم پر اثر انداز ہیں۔ کوئی موسم بدلتا ہے تو کوئی تقدیریں۔ کسی کے عمل میں جنگ اور قحط ہے تو کوئی امن کا پیامبر ہے، کوئی نحوست لاتا ہے تو کوئی سعادت، کوئی کائنات میں کیسا رنگ بھرتا ہے تو کوئی کیسا۔ پھر اس عالم بالا کے ستارے بھی ایک دوسرے سے ربط و ضبط رکھتے ہیں۔ کوئی کسی سے نور حاصل کرتا ہے تو کوئی حرارت۔ کسی کو کسی سے محبت ہے تو کسی سے عداوت۔ عاشقوں کی طرح ایک دوسرے کے گرد طواف کرتے ہیں اور دشمنوں کی طرح ایک دوسرے سے کتراتے ہیں۔ ہر ایک کا ایک دائرہ کار ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ ہر ایک دوسرے کو کچھ دیتا ہے اور لیتا ہے۔ الغرض سارا عالم بالا مربوط ہے۔

پھر یہ عالم بالا مذکورہ باتوں کے علاوہ ہماری اس دنیا پر پانی برساتا ہے۔ سمندروں سے بخارات اٹھتے ہیں تو پہاڑ انہیں روک لیتے ہیں اور عالم بالا ان بخارات کو پانی میں تبدیل کر دیتا ہے۔ جل تھل ہو جاتا ہے اور کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں ورنہ قحط پڑ جاتا ہے۔ سمندر چاند پر عاشق ہے اور اس کو روشن دیکھ کر جوش مارتا ہے تو بخارات خوب اٹھتے ہیں، بجلیاں چمکتی ہیں، بادل گرجتے ہیں، ہوائیں چلتی ہیں اور کائنات میں ایک انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔ اگر زیادہ بارشیں ہوئیں تو طوفان آ گئے، کم ہوئیں تو قحط پڑ گیا۔ پھر ان دونوں کے نتیجے میں بیماریاں پھیلیں۔ جانور گلے سڑے اور جراثیم پیدا ہوئے تو موت عام ہو گئی۔ موت عام ہوئی تو گھر گھر رونا پیٹنا شروع ہو گیا۔ خوشیاں خاک میں مل گئیں اور غم کا دور دورہ ہو گیا۔ مناسب بارش برسی تو زمین سبزہ زار بن گئی، گرم بازاری ہوئی۔ عیش و عشرت کا ڈنکا بجنے لگا اور مخلوق آرام سے ہو گئی۔ انسان کو شکم سیر ملنے لگا تو آفتاب و ماہتاب کے شکار کی سوجھی، راکٹ تیار ہونے لگے اور مشینیں کھٹا کھٹ کرنے لگیں۔

عالم بالا سے شہاب ثاقب برستے رہتے ہیں اور نہ معلوم فضا میں کیا کیا تبدیلیاں کرتے رہتے ہیں۔ ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا کہ عالم بالا ہمارے عالم پر کیا کیا اثر ڈال رہا ہے۔ الغرض عالم بالا عالم اسفل کے ساتھ مربوط ہے اور اس پر اثر انداز ہے۔

عالم اسفل کی ہر شے ایک دوسرے سے ربط رکھتی ہے خواہ وہ رابطہ محبت ہو یا رابطہ عداوت۔ لاگ کو بھی ہم لگاؤ میں شمار کرتے ہیں، کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا رابطہ ہے اگرچہ معکوس ہے۔

زمین سمندروں کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے یا سمندر زمین کو آغوش میں لئے ہوئے ہیں تو بظاہر اگرچہ متضاد ہیں مگر مربوط ہیں۔ پہاڑ زمین کو روکے ہوئے ہیں اور زمین پر قائم ہیں۔ ان دونوں کا ربط ظاہر ہے۔ زمین اپنی کائنات کو چھپائے ہوئے ہے اور پہاڑ اپنی معدنیات کو، لہذا سب ایک رشتے میں منسلک ہوئے۔

زمین کے سینے سے نباتات اگے ان میں اور زمین میں رشتہ امومت ہے، جمادات نباتات کی ماں ہیں اور نباتات ان کا خون چوس کر پرورش پاتے ہیں تو عالم نباتات و جمادات بھی ایک سلسلہ کی کڑی ہوئے — حیوانات نباتات کو کھا کر جیتے ہیں اور گردش نباتات سے پیدا ہوتے ہیں، تو یہ بھی آپس میں رشتہ دار ہوئے۔ عالم ناسوت ان دونوں کو کھا کر جیتا ہے اور ان کی گردش سے پیدا ہوتا ہے لہذا عالم جمادات و نباتات و حیوانات و عالم ناسوت سب ایک کڑی میں پروئے ہوئے

بلی کو چوہے سے انتہائی محبت ہے عداوت ہرگز نہیں

ہیں۔ ایک دوسرے کے مددگار بھی اور پرورش کنندہ ہیں۔

ان چاروں عالموں پر انفرادی طور پر نظر ڈالیے تو ان کے افراد بھی ایک دوسرے سے منسلک ہیں، مگر کہیں جذبۂ عداوت ہے تو کہیں جذبۂ نفرت۔ آگ پانی میں رشتۂ عداوت ہے تو مقناطیس اور لوہے میں رشتۂ محبت آگ پانی اور ہوا ایک دوسرے سے ربط رکھتے ہیں۔ آگ کے اثر سے پانی ہوا بنا اور سردی سے ہوا پانی۔ آگ بجھ کر مٹی یا بخار بن گئی اور پانی مٹی میں مل گیا تو ہوا نے گھس کر کسی کو جنم دے دیا۔ اس طرح آگ پانی، مٹی اور ہوا کا ایک چکر چلتا رہتا ہے اور چاروں یک جان ہو کر ایک نئی جان پیدا کر دیتے ہیں۔

عالم نباتات عالم جمادات کو کھاتا ہے مٹی اور پہاڑوں کے چھوٹے بڑے ریزوں سے رزق حاصل کرتا ہے وہی اسے جنم دیتے ہیں اور وہی پالتے ہیں، ہوا بھی رزق پہنچاتی ہے۔ ان کی شادی بیاہ اور ان کی نسل چلانے میں مدد دیتی ہے۔

عالم جمادات، عالم نباتات کو کھاتا اور ہوا پانی سے مستفید ہوتا ہے۔ رہا عالم حیوانات یہ عالم جمادات و نباتات اور خود اپنے عالم کو بھی کھاتا ہے۔ بعض نباتات کو بعض جمادات سے محبت ہے اور بعض سے نفرت۔ اسی طرح خود آپس میں بھی رشتۂ عداوت و نفرت ہے اور یہی حال عالم حیوانات کا ہے۔ ذرّات ذرات سے محبت کرتے ہیں تو پتھر بن جاتے ہیں، نفرت کرتے ہیں تو جدا جدا پڑے رہتے ہیں۔ بعض پتھر بعض پتھروں سے محبت کرتے ہیں اور بعض سے نفرت بعض معدنیات کو اپنی آغوش میں لے لیتے ہیں اور ان کی طرف کھنچتے ہیں اور بعض سے نفرت کرتے ہیں۔ بعض جانوروں کو بعض پتھروں سے محبت ہے اور بعض سے نفرت بعض درخت بعض پر عاشق ہیں اور بعض سے نفرت کرتے ہیں۔ بعض نباتات کو بعض زمینوں سے محبت ہے اور بعض سے نفرت، کوئی سخت زمین کو پسند کرتا ہے کوئی نرم کو، کوئی ریت کو اور کوئی سنگلاخ کو۔ نباتات ایک دوسرے سے رشک بھی کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر لپٹ بھی جاتے ہیں۔ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے اور پتھر کو دیکھ کر پتھر۔ کوئی درخت کسی قسم کی ہوا کو پسند کرتا ہے، کوئی کسی اور طرح کی۔

حیوانات نباتات سے محبت بھی کرتے ہیں اور نفرت بھی، بعض جانور کسی درخت کو اپنا مسکن بنانا پسند کرتے ہیں تو بعض اس سے نفرت کرتے ہیں، بعض حیوانات کسی درخت کے پتے، پھول یا پھل شوق سے کھاتے ہیں تو بعض ان سے نفرت کرتے ہیں۔ بعض نباتات بعض حیوانات کو بڑے شوق سے شکار کرتے ہیں اور تمنا کرتے ہیں کہ وہ ان کی طرف آئیں تو کچھ ایسے ہیں کہ اپنی ہی قوم کو کھا جاتے ہیں۔

نباتات حیوانات کا جزو بدن بن کر ان کی نسل چلاتے ہیں۔ بعض جڑی بوٹیوں کو جسم انسانی یا حیوانی کے کسی خاص جزو سے مناسبت ہوتی ہے اور بعض سے نفرت لہٰذا اسے نقصان پہنچاتے ہیں یا کسی طرح اس کے جسم سے خارج ہو جاتے ہیں۔

سارے حیوانات میں یا رشتۂ محبت ہے یا رشتہ عداوت یا محبت اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ ہم اسے عداوت سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ یہ محبت تلف کا باعث ہوتی ہے اور ہم لوگ ہلاکت کو عداوت سمجھتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں بلی اور چوہے میں عداوت ہے۔ ظاہر ہے چوہے کو بلی سے کوئی عداوت نہیں خوف ہے اور نفرت ضرور ہے، مگر میرے خیال میں تو بلی کو چوہے سے محبت ہے عداوت ہرگز نہیں ورنہ وہ اسے مار کر پھینک دیا کرتی، کھاتی نہیں، بلی کو چوہے سے انتہائی محبت ہے، گھنٹوں اس کے انتظار میں عاشق زار کی طرح بیٹھی رہتی ہے، دکھائی دیتا ہے تو دوڑتی ہے جیسے عاشق اپنے معشوق کی طرف دوڑتا ہے۔ ہاتھ آ جاتا ہے تو بہت خوش ہوتی ہے اور اس کے ساتھ خوب کھیلتی ہے۔ جب کھیلتے کھیلتے پیمانۂ صبر لبریز ہو جاتا ہے یا دیکھتی ہے کہ وہ چھیڑ چھاڑ سے نڈھال ہو کر کھیلنے کے قابل نہیں رہا تو اسے اپنے پیٹ میں رکھ لیتی ہے۔ زندگی میں چوہا اس سے بھاگتا تھا مگر اب اس کے جسم کا جزو بننا پسند کرتا ہے۔ اگر اس نظریہ سے دیکھا جائے تو ہر شکاری جانور اور اس کے شکار کے درمیان یک طرفہ رشتۂ محبت ہے ورنہ رشتۂ عداوت تو ہے ہی جسے سب تسلیم کرتے ہیں۔ شیر ہمارا دشمن ہے اور ہم شیر کے دشمن مگر اس دشمنی میں ایک جذبۂ محبت بھی ضرور ہے، ہم چاہتے ہیں کہ شیر کے سر۔ آنکھ ناک۔ مونھ، زبان اور کھال کو اپنے کمرے کی زینت بنائیں، اسے اپنی آنکھوں کے سامنے رکھیں، اس کی چربی سے فائدہ اٹھائیں۔ اور اس کے ذریعہ سے پیسہ حاصل کریں۔

بلبل و گل کا رشتۂ محبت کچھ زیادہ دور کا نہیں مگر چکور و قمر، سمندر اور چاند، چیتے اور بدر کا تعلق تو صاف بتا رہا ہے کہ اس عالم کا اس عالم سے ربط ہے۔ شہد کی مکھیاں پھولوں (باقی صفحہ ۲۸ پر)

مولانا مودودی کے ساتھ
میری رفاقت کی سرگذشت
اور اب میرا موقف

محمد منظور نعمانی

اس وقت تک میرے اور مولانا موصوف کے درمیان جو بات چیت اور خط وکتابت اس سلسلہ میں ہوتی رہی اس میں پوری خوشگواری رہی ، لیکن اس اطلاع کے بعد مولانا کا جو خط آیا اس کا رنگ بالکل دوسرا تھا اور اس کی وجہ غالبًا یہ تھی کہ مولانا کو یہ وہم ہوگیا کہ اب جبکہ میں نے جماعت سے علیحدگی کا فیصلہ کرلیا ہے تو شاید میرا رویہ بھی بدل جائے گا اور جن باتوں کے اظہار سے اب تک میں بچتا رہا ہوں اب میں ان کے برملا اظہار واعلان پر آمادہ ہوجاؤں گا اور ان کے بارے میں خدا جانے کیا کیا کہوں گا اور لکھوں گا۔ بہرحال جہاں تک میں سمجھ سکا اس موہوم خطرہ کے انسداد ہی کے لئے انہوں نے وہ خط مجھے اس انداز میں لکھا اور اس کے ذریعہ گویا مجھے خبردار کیا کہ اگر ضرورت اور مصلحت داعی ہو تو وہ کن حدود تک جاسکتے ہیں۔

اور اس کے ساتھ یہ بھی صاف ظاہر کردیا کہ جماعت کی اصل دعوت اور مقصد کے ساتھ مجھے اب بھی اتفاق ہے اور میری ہمدردیاں اس کے ساتھ باقی ہیں۔

'الفرقان' کا وہ نوٹ ذیل میں درج کیا اس کے بعد میں نے اپنی بے اطمینانی اور علیحدگی کے بارے میں "الفرقان" میں بھی ایک بہت مختصر نوٹ "اپنے متعلق ایک اطلاع" کے زیرعنوان لکھ دیا، جارہا ہے ناظرین کرام اس کو بھی پڑھ لیں۔

> اگر دنیا میں کچھ ایسے لوگ ہیں
> جنہیں چراغ کی روشنی
> دھندلی نظر آتی ہے
> تو یہ انکی آنکھوں کا
> ضعف ہے جن کو
> دور کرنا چاہئے۔ ان کی خاطر
> چراغ گل نہیں کیے جاسکتے:

اپنے متعلق ایک اطلاع

احباب کرام کو معلوم ہے کہ اب سے قریبًا پونے دو سال پہلے سید ابوالاعلیٰ مودودی کے زیر قیادت و امارت جو ایک "جماعت" بنی تھی، یہ عاجز "مدیر الفرقان" بھی اس میں شریک تھا اور اس "جماعت" کی "دعوت" کے تعارف اور مقاصد کی توضیح و تشریح کے سلسلہ میں "الفرقان" میں بھی کافی لکھا تھا۔ پھر یہ عاجز جماعت کے موجودہ مرکز (مستقر (بستی دارالاسلام) ہی میں چلا گیا تھا اور خیالات وعزائم اس سلسلہ میں اس سے کچھ آگے بھی تھے۔ بعض خاص احباب کو جن کا کچھ علم بھی ہے، لیکن کسی دوسرے سے شکوہ نہیں، اپنی بخت نوماں نصیبی کا گلہ مند ہوں کہ اس مرحلہ ہی میں بعض ایسے خلاف توقع

امور سامنے آئے کہ جس اطمینان اور جن امیدوں اور جن اندازوں کی بنا پر میں نے اس نظام سے وابستگی اختیار کی تھی اور اپنے حق میں یہ فیصلہ کیا تھا ان میں تغیر نے فرق آ گیا اور مجھے اپنے معاملہ پر نظر ثانی کرنا ناگزیر معلوم ہوا۔ پھر جتنا غور و فکر میرے لئے ممکن تھا میں نے اپنی دانست میں اس سے پورا کام لینے کے بعد اس نظام جماعت سے اپنے کو علیحدہ کر لینا ہی ضروری سمجھا، اور بالآخر دلی رنج و قلق کے ساتھ اپنے کو الگ ہی کر لیا۔

غلط فہمی نہ ہو، میری یہ علیحدگی کسی اصولی اختلاف کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ اس کا باعث در اصل کچھ شخصی قسم کی چیزیں ہوئی ہیں جن کے باوجود وابستہ رہنا میں نے اپنے لئے صحیح نہیں سمجھا اور ان کا کوئی اطمینان بخش اصلاحی حل بھی میں نہیں پا سکا۔ نیز میری یہ علیحدگی صرف اس مخصوص نظام جماعت سے ہے یعنی اب میں اس کا باضابطہ "رکن" نہیں رہا ہوں، مگر اس کے بنیادی مقصد اور اس کی اصل دعوت کو پہلے ہی کی طرح بالکل پہلے ہی کی طرح صحیح سمجھتا ہوں، اس لئے اگرچہ جماعت کی باضابطہ شرکت اور اس کی ذمہ داری سے میں سبکدوش ہو چکا ہوں لیکن پھر بھی اس کے اصل مقصد کے ساتھ میری وابستگی ویسی ہی ہے اور میں اللہ پاک سے اس راہ میں جد و جہد کی بیش از بیش توفیق مانگتا ہوں، نیز باضابطہ تعلق کے بغیر اگر مقصد میں میں کوئی مدد دے سکا تو انشاء اللہ تعالیٰ اب بھی بقدر امکان و وسعت "نصح دینی" اور تعاون علی الخیر سے دریغ نہ ہو گا۔

ان سطور کے لکھنے کی خاص غرض صرف ان حضرات کو اپنی اس علیحدگی کی اطلاع دینا ہے جو میری باضابطہ وابستگی اور سرگرم وابستگی سے تو واقف تھے لیکن میرے اس جدید فیصلہ کا ان کو علم نہیں ہے اور اس لئے وہ مجھے اس جماعت کا "ذمہ دار خادم" اور "باضابطہ رکن" سمجھ کر مجھ سے معاملہ کرتے ہیں، حالانکہ میں اپنی اس حیثیت کو ختم کر کے اس سلسلہ کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو چکا ہوں۔ بہرحال اس اعلان کی اصل غرض صرف اتنی ہی ہے' اس لئے میں نے ان امور کی تفصیل بلکہ ان کی طرف اشارہ بھی ضروری نہیں سمجھا جو میرے لئے فیصلہ کی اس تبدیلی کا باعث ہوئے ہیں۔

عام خیال کے مطابق اس سلسلہ کی تفصیلات کے اظہار کے لئے جو دواعی اور جو محرکات یا موجبات میرے لئے ہو سکتے ہیں، جن میں سے بعض یقیناً کچھ اہمیت بھی رکھتے ہیں۔ غالباً وہ سب ہی میرے سامنے ہیں، لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود میرا فیصلہ ابھی تک یہی ہے کہ خیر و مصلحت اپنی ذات کی نہیں بلکہ دین کی ان تفصیلات کے عدم اظہار ہی میں ہے۔ لہٰذا کوئی دوست مزید انکشاف کی امید میں اس بارہ میں مجھ سے نجی خط و کتابت بھی نہ فرمائیں۔

والمسئول من اللہ تعالیٰ ان
یوفقنا لما یحب و یرضی
ولا یخزینا فی الدنیا والآخرہ

(الفرقان بابت ربیعین ۱۳۶۲ھ ص ۴)

یہاں تک جو کچھ قارئین کرام نے پڑھا وہ مولانا مودودی صاحب کے ساتھ اس عاجز کے ربط و تعلق اور پھر ۱۹۴۱ء میں "جماعت اسلامی" کی تاسیس و تشکیل میں سرگرم شرکت اور پھر کچھ عرصہ کے بعد دلی رنج و افسوس کے ساتھ جماعت سے قطع تعلق کی روداد اور سرگزشت تھی۔ ظاہر ہے کہ میں نے اس سلسلہ میں مختلف مرحلوں پر اپنے بارہ میں جو فیصلے اور اقدامات کئے ان میں سے بہت سوں کو جماعت اسلامی کے مخالفین میری بہت بڑی غلطی سمجھیں گے اور جماعت اسلامی کے حضرات ان کو ایمان و اسلام کا عین تقاضا۔ اور بعض دوسرے فیصلوں اور اقدامات کے بارہ میں دونوں فریقوں کی رائے اس کے بالکل برعکس ہو گی۔ لیکن میں نے واقع میں غلط کیا ہو یا صحیح، میری زندگی کے ان سالوں کی روداد اور سرگذشت بہرحال یہی ہے۔ مجھے خود اعتراف ہے کہ اس سلسلہ میں مجھ سے بڑی بڑی غلطیاں ہوئیں، لیکن اپنے رب کریم سے' جو علیم بذات الصدور اور ارحم الراحمین ہے مجھے پوری امید ہے کہ وہ ان پر مجھ سے مواخذہ نہ فرمائے گا ——— ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا۔

جماعت سے قطع تعلق کے بعد

مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے ساتھ اپنے تعلق اور پھر قطع تعلق کی جو سرگزشت گزشتہ صفحات میں ذکر کی گئی اس سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ قطع تعلق کے آخری فیصلہ تک بھی میں نے مودودی صاحب میں کوئی ایسی بات محسوس نہیں کی تھی جس کو میں زیغ و ضلال یا امت کے حق میں فتنہ سمجھتا۔ ہاں ایسی عملی کمزوریاں بار بار سامنے آئیں جو میرے نزدیک اس اعلیٰ مقام سے مطابقت نہیں رکھتی تھیں جس پر میں ان کو احیاء دین اسلامی انقلاب کی دعوت کے علمبردار "جماعت اسلامی" کے امیر و مرشد عام اور اپنے ایک محبوب دینی دوست کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن جیسا کہ معلوم ہو چکا یہ عملی کمزوریاں میرے لئے جماعت سے قطع تعلق کا اصل موجب نہیں بنیں۔ میں خود نہ اس وقت ایسی عملی کمزوریوں سے پاک تھا نہ اس وقت

محفوظ ہوں۔ ظاہر و باطن کے بہت سے گناہوں میں اسوقت بھی ملوّث تھا۔ اور آج بھی ملوّث ہوں۔ اگر میرے لئے "شہادت" کا وہ مسئلہ پیدا نہ ہوگیا ہوتا جس کا پچھلے صفحات میں ذکر کیا جاچکا ہے تو صرف ان عملی کمزوریوں کی وجہ سے میں جماعت سے تعلق منقطع نہ کرتا جبکہ میں جماعت کی اصل دعوت کو اسوقت بنیادی طور پر احیاءِ دین اور اسلامی انقلاب ہی کی دعوت سمجھتا تھا اور مودودی صاحب کی فکر و بصیرت کے بارہ میں جو غیر معمولی حسنِ ظن تھا وہ بھی متزلزل نہیں ہوا تھا۔

جماعت سے ضابطہ کا تعلق ختم کرنے کے بعد بھی میرے دل اور میرے عمل میں طویل مدت تک اس کی خیر خواہی و ہمدردی رہی اور جماعت کے اکثر حضرات کا تعلق بھی میرے ساتھ اخلاص و محبت کا رہا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے کے ایک دو واقعے بھی ذکر کردوں۔ جماعت سے قطع تعلق کے غالباً سال ڈیڑھ سال کا واقعہ ہے۔ میں دہلی گیا ہوا تھا، جامع مسجد میں ظہر کی نماز پڑھی، وہاں جماعت اسلامی کے چند اہم ارکان سے جو قریباً سب ہی میرے دوست احباب تھے اتفاقاً ملاقات ہوگئی۔ ان میں بھائی عبد العزیز شرقی صاحب بھی تھے جن کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے، ان حضرات سے معلوم ہوا کہ یہاں دہلی میں اسوقت جماعت اسلامی یا اس کی مجلسِ شوریٰ کا جلسہ ہو رہا ہے۔ شرقی صاحب اور ان کے دوست احباب بھی مصر ہوئے کہ میں ان کے ساتھ جلسہ گاہ چلوں۔ میرا چونکہ جماعت کے ساتھ ضابطہ کا تعلق نہیں رہا تھا اس لئے مجھے جانے میں تکلف تھا، میں نے معذرت کی تو شرقی صاحب نے مجھے گود میں اٹھالیا اور کہا کہ نہیں آپ کو چلنا ہوگا۔ بہرحال میں نے ان حضرات کی فرمائش کی تعمیل کی۔ جلسہ گاہ یا قیام گاہ پہنچا۔ مولانا مودودی صاحب اور سب حضرات سے ملاقات ہوئی۔ سب نے بڑی محبت اور مسرت کا اظہار کیا۔ ان میں کئی ایک حضرات نے اس پر بھی اصرار کیا کہ میں پھر "جماعت" میں واپس آجاؤں جہاں تک یاد ہے اس اصرار میں سب سے زیادہ حصہ مرحوم ملک نصر اللہ خان عزیز صاحب کا تھا، یہ حضرات اس اصرار میں بلاشبہ مخلص تھے، ان میں سے کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ میرے لئے "جماعت" سے قطع تعلق کا موجب کیا تھا۔ بہرحال میں نے مناسب انداز میں معذرت کردی۔

اس سلسلہ کا دوسرا قابلِ ذکر واقعہ یہ ہے کہ بہار کے کسی مقام پر (غالباً پٹنہ یا دربھنگہ) جماعت اسلامی کا کوئی اہم اجتماع تھا۔ مولانا مودودی صاحب اور جماعت کے دوسرے تمام اہم حضرات کو جس ٹرین سے سفر کرنا تھا وہ بریلی ہوکر جاتی تھی۔ جماعت کے مرکز دار الاسلام سے مجھے کسی نے اطلاع دی کہ ہماری ٹرین فلاں دن فلاں وقت بریلی اسٹیشن پہنچے گی۔ مقصد یہ تھا کہ میں ان حضرات سے اسٹیشن پر ملاقات کروں چنانچہ مقررہ وقت پر میں اسٹیشن گیا، تھرڈ کلاس کے ایک پورے ڈبے میں جماعت کے سب ہی اہم ارکان تھے۔ مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا مسعود عالم مرحوم، ملک نصر اللہ خان عزیز مرحوم وغیرہ۔ مولانا مودودی صاحب کی طبیعت کچھ ناساز تھی اس وجہ سے وہ اکیلے سیکنڈ کلاس میں تھے۔ سب حضرات سے ملاقات ہوئی۔ ان میں سے کئی ایک حضرات نے اصرار فرمایا کہ اسٹیشن کی یہ کھڑے کھڑے کی ملاقات کافی نہیں، آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔ میں نے شاہجہانپور کا ٹکٹ منگوالیا اور ان حضرات کے ساتھ بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے بعد نماز مغرب کا وقت آگیا سب حضرات نے اصرار کیا کہ نماز میں پڑھاؤں میں نے ہر چند معذرت کی اور اصرار کیا کہ آپ حضرات ہی میں سے کسی کو امامت کرنی چاہیئے۔ لیکن ان سب حضرات نے مجبور کردیا اور نماز مجھ ہی سے پڑھوائی۔ ان واقعات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جماعت سے قطع تعلق کے بعد بھی جماعت کے اربابِ حل و عقد کا میرے ساتھ اور میرا ان حضرات کے ساتھ کیسا تعلق رہا۔ قطع تعلق کے بعد طویل مدت تک میرا حال یہ رہا کہ اگر کوئی صاحب میرے سامنے جماعت اسلامی کے خلاف کوئی بات کہتے اور میں ان سے گفتگو کرنا نامناسب نہ سمجھتا تو جماعت کی طرف سے مدافعت اور جواب دہی کرتا۔ اسی زمانہ میں میرے بعض محترم بزرگوں کی طرف سے مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے بارہ میں سخت رائے کا اظہار کیا گیا تو مجھے یاد ہے کہ میرے اندر اس کے خلاف سخت برہمی پیدا ہوئی اور میں نے اپنے ان محترم بزرگ کو ایسے انداز اور ایسے لب و لہجہ میں خط لکھا جس کی میرے اور ان کے تعلق کی نوعیت میں قطعاً گنجائش نہیں تھی۔ مجھے ہمیشہ اپنی اس غلطی پر افسوس رہے گا۔

پھر ایک وقت آیا کہ میں نے محسوس کیا کہ جماعت اسلامی کے حلقہ میں بلکہ کہنا چاہیئے کہ مودودی صاحب کی تحریروں سے متاثر ہونے والوں میں یہ ذہنیت عام طور سے پیدا ہورہی ہے کہ دین اور اس کے تقاضوں کو اگلوں نے صحیح نہیں سمجھا۔ اب بس مودودی صاحب نے صحیح سمجھا ہے — میں چونکہ اس ذہنیت کو اسوقت بھی بہت بڑی گمراہی اور بڑی سے بڑی گمراہیوں کی جڑ بنیاد سمجھتا تھا اس لئے اس احساس کے بعد سے جماعت اسلامی اور مولانا مودودی صاحب کے متعلق میری رائے اور رویہ میں فرق آگیا، اور یہاں سے ذہن نے دوسری طرح سوچنا شروع کردیا۔

پھر کچھ مدت کے بعد (۵۷ء کے اواخر میں) میرا پاکستان کا سفر ہوا، یہ وہ وقت تھا کہ وہاں کی جماعت اسلامی کے صف اول کے ارکان اور ممتاز عمائد کو مودودی صاحب سے سخت اختلاف ہوگیا تھا اور

خالص دینی بنیاد پر تھا) اور بالآخر انہوں نے جماعت سے علیٰحدگی اختیار کر لی تھی — یہ تھے غازی عبدالجبار صاحب، مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب (مدیر "المنیر" فیصل آباد) اور مولانا عبدالغفار حسن صاحب (حال استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ) اور اسی سطح کے ان کے بعض اور رفقا — مولانا امین احسن اصلاحی بھی ان حضرات کے ہمخیال اور شریکِ حال تھے لیکن انہوں نے اسوقت تک جماعت سے علیٰحدگی اختیار نہیں کی تھی۔ بعد میں انہوں نے بھی جماعت سے تعلق منقطع کر لیا تھا۔[۱]

جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ حضرات "جماعت اسلامی" کی صف اوّل کے اربابِ حل وعقد تھے اور میرے سب جانے پہچانے دوست احباب تھے، اور اس کے اظہار میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ کم از کم راقم سطور کے ذاتی علم وتجربہ میں یہ حضرات دیانت اور تقوٰے کے لحاظ سے مودودی صاحب سے زیادہ قابل اعتماد تھے۔ (واللہ اعلم باحوالِ عبادہ)۔ ان حضرات سے ملاقات ہوئی تو اس اختلاف کی پوری تفصیل علم میں آئی۔ جو کچھ ان حضرات نے بتلایا مختصر الفاظ میں اس کا حاصل یہ تھا کہ ہم لوگ کچھ عرصہ سے یہ محسوس کر رہے تھے کہ مودودی صاحب راستہ بدل رہے ہیں ان کے سامنے اب مسئلہ صرف حصول اقتدار کا ہے اور اس مقصد کے لیے عام سیاسی پارٹیوں کی طرح جس وقت جو پالیسی وہ اختیار کرنا مناسب سمجھیں اختیار کرنے پر آمادہ ہیں

ہم نے کوشش کی کہ مودودی صاحب کو اور جماعت کو اس راستہ پر چلنے نہ دیں، مدت تک یہ کشمکش اندر ہی اندر چلتی رہی لیکن مودودی صاحب اس پالیسی سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہوئے اور آج کل کے سیاستکاروں کی جیسی چالوں کے ذریعے انہوں نے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ ہم لوگوں کو ہی جماعت سے الگ ہونیکا فیصلہ کرنا پڑا۔

راقم سطور نے اپنے امکان کی حد تک ان مختصر الفاظ میں ان حضرات کے بیان کا حاصل اور خلاصہ عرض کر دیا ہے — ان واقعات کی تفصیل جو ان حضرات سے معلوم ہوئی تھی بہت تطویل طلب اور ایک پورا دفتر ہے — اسی زمانہ میں مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب نے اپنے اخبار "المنیر" میں ان واقعات کو خاصی تفصیل سے لکھا تھا (اس سلسلہ کے ان کے بعض مضامین انہی دنوں 'الفرقان' میں بھی شائع ہوئے تھے) اُس کے بعد "جماعت اسلامی پاکستان" کے ایک بڑے پُرجوش اور باصلاحیت رکن اور مولانا مودودی کے فدائی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے (جو مودودی صاحب کے ساتھ اسی اختلاف کی بنا پر جماعت سے الگ ہو گئے تھے)، انہی واقعات سے متعلق قریبًا ڈھائی سو صفحہ کی ایک پوری کتاب "تحریک جماعت اسلامی۔ ایک تحقیقی مطالعہ" کے نام سے لکھی۔ اس میں "جماعت اسلامی" پاکستان کی اب سے ۲۴ - ۲۵ سال پہلے کی اس اندرونی کشمکش اور اُس سلسلہ کے واقعات کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن حاصل اور خلاصہ اس کا بھی وہی ہے جو اوپر چند سطروں میں راقم سطور نے عرض کیا ہے اس کے بعد انہی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اسی موضوع پر ایک اور رسالہ "نقض غزل" کے نام سے بھی لکھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ دونوں کتابیں قابلِ مطالعہ ہیں۔

الطاف حسین، سرکولیشن منیجر
جھنگ، سرگودھا، چنیوٹ کے دورہ پر ہیں۔ (ادارہ)

الغرض پاکستان کے اس سفر میں ان حضرات کے ذریعہ جو کچھ علم میں آیا، خاصکر مودودی صاحب کے "دینی حکمت عملی" کے فلسفہ کی جو تفصیل معلوم ہوئی اور جماعت کے مزاج اور رُخ کی تبدیلی کے بارہ میں جو کچھ ان حضرات سے سنا (جس کی بعد کے واقعات وتجربات نے بھی پوری تصدیق وتوثیق کی) اُس نے دل ودماغ کی دینی فہم وبصیرت کے بارہ میں حد سے بڑھے ہوئے حسن ظن اور ان کی اسلامی انقلاب کی دعوت کی کشش نے ڈال رکھا تھا۔

میری غلطی کی اصل بنیاد:

اپنی اس سرگذشت کے سارے مرحلوں پر غور کر کے راقم سطور اسی نتیجہ پر پہنچا ہے کہ مودودی صاحب اور جماعت اسلامی سے تعلق کی غلطی میں کم از کم میری ذات کی حد تک دو عامل خاص طور سے کار فرما رہے ہیں۔

اوّل[۱] "تحریک خلافت" اور بعض دوسرے محرکات کی پیدا کی ہوئی "اسلامی انقلاب" کی آرزو اور اس کے لئے کچھ کرنے کا قلبی داعیہ جس کو ۳۹ء میں شروع ہونے والی "دوسری جنگ عظیم" کے پیدا کئے ہوئے خاص حالات نے اس کے کچھ امکانات دکھا کر تیز اور مشتعل کر دیا تھا۔

دوسرا[۲]۔ "ترجمان القرآن" کے ابتدائی دور کے مطالعہ سے مولانا مودودی کے بارہ میں میرے قلب وذہن کا غیر معمولی تاثر اور ان کے ساتھ حد سے بڑھا ہوا وہ حسن ظن جو شاید میری فطری اور طبعی کمزوریوں میں سے ہے۔ عربی کا ایک مشہور حکیمانہ مصرع ہے ؎

عین الرضا عن کل عیب کلیلۃ

---

[۱] یہ صرف صف اوّل کے بلکہ صف اوّل میں بھی چوٹی کے چند حضرات کے نام یہاں لکھے گئے ہیں، ورنہ اسوقت جماعت سے قطع تعلق کرنے والوں کی تعداد دسترّ کے قریب تھی، جیسا کہ حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب کے اخبار "المنیر فیصل آباد" سے معلوم ہوا تھا۔

اور اسی کے ہم معنی مشہور عربی مقولہ ہے۔

"حبك الشيئ يعمي ويصم"

جن کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی چیز کی محبت آدمی کے قلب و ذہن پر چھا جاتی ہے تو آنکھ اور کان دل کے تابع ہو کر اس پسندیدہ اور مرغوب و محبوب چیز میں کوئی عیب اور خرابی دیکھنے اور سننے کے لائق نہیں رہتے۔

مودودی صاحب کے ساتھ "ترجمان القرآن" کے ذریعہ اب سے قریباً نصف صدی پہلے جس طرح ابتداءً تعلق قائم ہوا اور اس کے بعد قلب و ذہن جس طرح ان سے متاثر اور ان کے گرویدہ ہوتے گئے، اور پھر ۱۹۴۱ء میں احیاء دین اور اسلامی انقلاب کی ان کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے جماعت اسلامی کی تاسیس کے وقت راقم سطور نے جس طرح

یہ بات یاد ہے کہ ان کی بعض تحریروں میں بے اعتدالی اور خوارج کی سی شدت محسوس ہوتی تھی لیکن یہ خیال کر کے میں اپنے کو مطمئن کر لیتا تھا یا کم از کم اس کو نظر انداز کر دیتا تھا کہ یہ "دعوت" کی زبان ہے "فتوے" کی زبان نہیں ہے۔ یاد آتا ہے مولانا مودودی نے اپنی ایسی تحریروں کے بارہ میں یہ بات خود لکھی بھی تھی۔

چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے اور توفیق دے کہ میں مسئلہ کو اس طرح پیش کر سکوں کہ اوسط درجہ کے اصحاب فہم بھی سمجھ سکیں اور اتمام حجت کا حق ادا ہو جائے۔

مولانا مودودی کی

انتہائی خطرناک غلطی،

مولانا مودودی صاحب اپنی اس کتاب کے بالکل شروع میں تحریر فرماتے ہیں:

"الٰہ، رب، دین اور عبادت، یہ چار لفظ قرآن کی اصطلاحی زبان میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ قرآن کی ساری دعوت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ

> جب کسی چیز کی محبت آدمی کے قلب و ذہن پر چھا جاتی ہے تو آنکھ اور کان دل
> کے تابع ہو کر اس پسندیدہ اور محبوب چیز میں کوئی عیب اور خرابی دیکھنے اور سننے کے لائق نہیں رہتے۔

سب سے پہلے اس کی شرکت و رفاقت قبول کی اور سمع و طاعت فی المعروف کا عہد کیا، پھر جس جوش و جذبہ کے ساتھ الفرقان کے ذریعہ اور چل پھر کر بھی دوسروں کو اس کی دعوت دی اور اس کو گویا وظیفۂ حیات بنا لیا ــــ اور پھر جس مجبوری سے شدید رنج و قلق کے ساتھ جماعت سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔ ان سب مراحل کا ذکر پچھلے صفحات میں آ چکا ہے ــــ واقعہ یہ ہے کہ اس پوری مدت میں (بلکہ اس کے بہت بعد تک بھی) اس عاجز کے قلب و ذہن پر مودودی صاحب اور "جماعت اسلامی" کی دعوت کے بارہ میں حسن ظن یا خوش فہمی کا ایسا غلبہ رہا کہ میری نگاہ نے اس طویل مدت میں ان کی تحریروں میں کوئی ایسی چیز نہیں محسوس کی جس کو میں امت کے لئے گمراہ کن یا دین میں فتنہ سمجھتا اور اس کو کسی اچھے محمل پر محمول نہ کر سکتا ــــ

لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کی تحریروں میں بعض ایسی چیزیں اسوقت بھی موجود تھیں جو امت کے لئے گمراہ کن ہیں، مگر جیسا کہ عرض کیا کہ اسلامی انقلاب کی دعوت سے مسحور اور مودودی صاحب کی محبت اور حسن ظن سے مغلوب ذہن نے اُس وقت اس کا ادراک نہیں کیا۔ (وعين الرضا عن كل عيب كليلة)

ان سب میں زیادہ سنگین اور خطرناک اس عاجز کے نزدیک ان کا وہ نقطۂ نظر ہے جو قرآن کی چار بنیادی اصطلاحوں (الٰہ۔ رب۔ عبادت۔ دین) کے بارہ میں اور اس کی بنیاد پر پورے قرآن اور اس کے پیغام کے فہم کے بارے میں "دین کی چار بنیادی اصطلاحیں" نامی اپنی تصنیف میں انہوں نے پیش کیا ہے یہ عاجز پہلے اسی کے بارہ میں کچھ عرض کرنا

ہی اکیلا رب اور الٰہ ہے، اس کے سوا نہ کوئی الٰہ ہے نہ رب اور نہ الوہیت و ربوبیت میں کوئی اس کا شریک ہے لہٰذا اسی کو اپنا الٰہ و رب تسلیم کرو، اور اس کے سوا ہر ایک کی الٰہیت و ربوبیت سے انکار کر دو، اسی کی عبادت اختیار کرو، اور اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اسی کے لئے اپنے دین کو خالص کر لو اور ہر دوسرے دین کو رد کر دو۔"

(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں)

ان سطروں میں جو کچھ مودودی صاحب نے فرمایا ہے بلا شبہ حق و صحیح ہے، قرآن کی بنیادی دعوت یہی ہے جو مودودی صاحب نے بیان فرمائی اور بلاشبہ یہ چاروں اصطلاحات ایسی ہی بنیادی اہمیت رکھتی ہیں ــــ آگے

مودودی صاحب اسی سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"عرب میں جب قرآن پیش کیا گیا تھا، اس وقت ہر شخص جانتا تھا کہ "الٰہ" کے کیا معنی ہیں اور "رب" کسے کہتے ہیں کیونکہ یہ دونوں لفظ ان کی بول چال میں پہلے سے مستعمل تھے، انہیں معلوم تھا کہ ان الفاظ کا اطلاق کس مفہوم پر ہوتا ہے، اس لئے جب ان سے کہا گیا کہ اللہ ہی اکیلا "الٰہ" اور "رب" ہے اور الوہیت و ربوبیت میں قطعاً کسی کا کوئی حصہ نہیں تو وہ پوری بات کو پا گئے، انہیں بلا کسی التباس و اشتباہ کے معلوم ہو گیا کہ دوسروں کے لئے کس چیز کی نفی کی جا رہی ہے، اور اللہ کے لئے کس چیز کو خاص کیا جا رہا ہے۔ جنہوں نے مخالفت کی یہ جان کر کی کہ اللہ کی الوہیت و ربوبیت کے انکار سے کہاں کہاں ضرب پڑتی ہے، اور جو ایمان لائے وہ یہ سمجھ کر ایمان لائے کہ اس عقیدہ کو قبول کر کے ہمیں کیا چھوڑنا اور کیا اختیار کرنا ہوگا۔

اسی طرح "عبادت" اور "دین" کے الفاظ بھی ان کی بولی میں پہلے سے رائج تھے، ان کو معلوم تھا کہ "عبد" کسے کہتے ہیں، عبودیت کس حالت کا نام ہے عبادت سے کونسا رویہ مراد ہے اور "دین" کا کیا مفہوم ہے۔ اس لئے جب ان سے کہا گیا کہ سب کی عبادت چھوڑ کے صرف اللہ کی عبادت کرو، اور ہر دین سے الگ ہو کر اللہ کے دین میں داخل ہو جاؤ تو انہیں قرآن کی دعوت کو سمجھنے میں کوئی غلط فہمی پیش نہ آئی۔ وہ سنتے ہی سمجھ گئے کہ یہ تعلیم ہماری زندگی کے نظام میں کس نوعیت کے تغیر کی طالب ہے"۔

مودودی صاحب اس کے آگے متصلاً تحریر فرماتے ہیں :-

"لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصل معنی جو نزول قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے بدلتے چلے گئے، یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لئے خاص ہو گیا۔ اس کی ایک وجہ تو خالص عربیت کے ذوق کی کمی تھی، اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اسلام کی سوسائٹی میں جو لوگ پیدا ہوئے تھے ان کے لئے "الٰہ" اور "رب" اور "دین" اور "عبادت" کے وہ معانی باقی نہ رہے تھے جو نزول قرآن کے وقت غیر مسلم سوسائٹی میں رائج تھے، انہیں دونوں وجوہ سے دور آخر کی کتب لغت و تفسیر میں اکثر قرآنی الفاظ کی تشریح اصل معانی لغوی کے بجائے اُن معانی سے کی جانے لگی جو بعد کے مسلمان سمجھتے تھے۔ مثلاً لفظ "الٰہ" کو قریب قریب بتوں اور دیوتاؤں کا ہم معنی بنا دیا گیا، "رب" کو پالنے اور پوسنے والے یا پروردگار کا مترادف ٹھیرایا گیا عبادت کے معنی پوجا اور پرستش کے کئے گئے، دین کو دھرم اور مذہب اور (RELIGION) کے مقابلہ کا لفظ قرار دیا گیا۔ "طاغوت" کا ترجمہ بُت یا شیطان کیا جانے لگا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کا اصل مدعا ہی سمجھنا لوگوں کے لئے مشکل ہو گیا"۔

(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ص ۸-۹-۱۰)

پھر اس تغیر حال کا نتیجہ بیان کرتے ہوئے مولانا مودودی تحریر فرماتے ہیں :-

"پس یہ حقیقت ہے کہ محض ان چار بنیادی اصطلاحوں کے مفہوم پر پردہ پڑ جانے کی بدولت قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اس کی حقیقی روح نگاہوں سے مستور ہو گئی ہے"۔

(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں مطبوعہ مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند")

اللہ تعالےٰ نے مولانا مودودی کو یہ کمال بڑی فیاضی کے ساتھ عطا فرمایا ہے کہ ان کی تحریر پرشوکت اور دینی ادب کا اعلیٰ نمونہ ہونے کے ساتھ صاف، سیدھی اور سہل الفہم ہوتی ہے، اس میں ابہام پیچیدگی اور رمزیت بالکل نہیں ہوتی، ان کی مندرجہ بالا عبارت بھی ایسی ہی ہے۔ اس میں انہوں نے صراحت اور قلم کے پورے زور و قوت کے ساتھ یہ چند علمی اور تاریخی دعوے کئے ہیں۔

اوّل یہ کہ زمانۂ نزول قرآن کے وقت عرب قرآن کی ان چار بنیادی اصطلاحات (الٰہ - رب - عبادت اور دین) کا معنی مفہوم صحیح اور بالکل ٹھیک سمجھتے تھے، اس لئے انہوں نے قرآن کی دعوت توحید کا مدعا اور اس کے لوازم و نتائج کو بالکل صحیح اور ٹھیک سمجھا تھا، ان میں سے جنہوں نے قبول کیا (مثلاً صدیق اکبرؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ) انہوں نے سمجھ کر قبول کیا تھا اور جنہوں نے انکار کیا (مثلاً ابوجہل ابولہب وغیرہ کفار عرب) انہوں نے سمجھ کر انکار کیا تھا۔

دوم یہ کہ زمانۂ نزول قرآن کے بعد کی صدیوں میں ان بنیادی اصطلاحوں کے معنی بدلتے چلے گئے یہاں تک کہ ان کا مفہوم نہایت محدود بلکہ مبہم ہو کر رہ گیا۔

سوم یہ کہ جو لوگ اسلام کی سوسائٹی میں پیدا ہوئے (جن میں اکثر تابعین اور ان کے بعد کے تو سب ہی ائمہ و علماء شامل ہیں) وہ ان الفاظ کا وہ مفہوم نہیں سمجھ سکے جو زمانۂ نزول قرآن میں سمجھا جاتا تھا اور جو

صحیح مفہوم تھا۔

چہارم یہ کہ اس تغیرِ حال کی وجہ سے قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اس کی حقیقی روح نگاہوں سے مستور ہو گئی۔

راقم سطور مولانا مودودی کے ان علمی اور تاریخی دعووں اور ان کے دلائل پر اس وقت کوئی بحث و تنقید اور تبصرہ کرنا نہیں چاہتا۔ تمام قارئین سے صرف اتنا عرض ہے کہ مولانا نے اپنی اس تحریر کے ذریعہ یہ بات پورے زور و قوت کے ساتھ اپنے ناظرین کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن پاک کی ان بنیادی اصطلاحات (الٰہ۔ ربّ۔ دین۔ عبادت) کا مفہوم بس زمانۂ نزول قرآن (یعنی زیادہ سے زیادہ قرن اوّل) میں تو صحیح سمجھا گیا تھا، اور اس بنا پر اس کے توحید کے پیغام کو بھی اسی زمانہ میں صحیح سمجھا گیا تھا، لیکن اس کے بعد اس کو صحیح نہیں سمجھا گیا، غلط یا ناقص سمجھا جاتا رہا ہے اور اس تغیرِ حال کی وجہ سے قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم اور اس کی روح امت مسلمہ کی نگاہوں سے مستور رہی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ مودودی صاحب کی یہ بات تسلیم کر لینے کے بعد قرآن کی ساری تعلیم بلکہ سارا دین غیر مستند، مشتبہ اور ناقابلِ اعتبار ہو جاتا ہے۔ جب الٰہ۔ ربّ۔ عبادت اور دین جیسے الفاظ، جو قرآن پاک میں یقیناً سینکڑوں جگہ آئے ہیں اور اس کے کم ہی صفحات ایسے ہوں گے جو ان الفاظ سے خالی ہوں اور قرآنی دعوت و تعلیم میں جن کی وہ بنیادی اہمیت ہے جو یقیناً کسی دوسرے لفظ کی نہیں، جب ان کے متعلق یہ مان لیا جائے کہ زمانۂ نزول قرآن کے بعد کی امت مسلمہ صدیوں سے ان کا جو مفہوم و مدعا سمجھتی رہی ہے وہ صحیح نہیں ہے غلط ہے یا ناقص ہے اور اس کی وجہ سے دعوت توحید سے متعلق قرآنی آیات اور کلمہ "لا الٰہ الّا اللہ" کا مطلب و مدعا بھی غلط یا ناقص سمجھا جاتا رہا ہے تو پھر قرآن کی کسی آیت اور اس کے کسی لفظ اور کسی حکم کے متعلق بھی اطمینان کی گنجائش نہیں رہتی کہ ان کا وہی مطلب و مدعا ہے جو اب تک جمہور امت سمجھتی رہی ہے۔ اس کے بعد ملحدین کے لئے دروازہ کھل جاتا ہے کہ وہ لغت کی کتابوں وغیرہ کا سہارا لے کر زبان و قلم کے زور سے سارے دین کو بدل کے رکھ دیں۔

امید ہے کہ ذیل کی چند مثالوں سے ناظرین اس بات کو بآسانی سمجھ سکیں گے۔

(۱)
"رَسُول" کے معنے و مفہوم کے بارہ میں چکڑالوی حضرات کی بحث :۔

لفظ "رسول" کا مفہوم و مطلب اور اس کی حقیقت امت مسلمہ میں معلوم و معروف ہے۔ ہر وہ شخص جو کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پر ایمان لایا ہے اپنی علمی اور ذہنی سطح کے مطابق "رسول" کا مطلب سمجھتا ہے مگر "منکرین حدیث" میں جو لوگ انتہا پسند رہے ہیں (مثلاً مولوی عبداللہ چکڑالوی صاحب اور ان کے متبعین) وہ دعوے کرتے تھے کہ عربی زبان میں رسول کے معنی بس قاصد اور پیام رساں کے ہیں، اور "رسول" کی حیثیت صرف یہی ہے کہ وہ خدا کا پیام اور حکم اس کے بندوں تک پہنچاتا ہے۔ "رسول" کے بارہ میں عام مسلمانوں کا جو تصور اور عقیدہ ہے کہ وہ معصوم اور مفترض الطاعۃ ہے وغیرہ وغیرہ، یہ سب بالکل بے بنیاد اور مولویوں کی ایجاد ہے۔ اب سے قریباً پچاس سال پہلے ان لوگوں کا ایک پرچہ "بلاغ" امرتسر سے نکلتا تھا، اس میں اس موضوع پر مستقل مضامین ہوتے تھے۔ وہ قرآنی آیات بھی دلیل کے طور پر پیش کی جاتی تھیں جن میں بعض انبیاء علیہم السلام کی زلّات کا ذکر ہے (مثلاً "وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی" ——— اور "وَظَنَّ اَن لَّن نَّقْدِرَ عَلَیْہِ" اور "وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ" وغیرہ)۔ میرا گمان ہے کہ مولانا مودودی صاحب کی نظر سے "بلاغ" اور اس کے وہ مضامین ضرور گزرے ہوں گے ممکن ہے کسی لائبریری میں اس کا فائل بھی محفوظ ہے۔

ظاہر ہے کہ چکڑالویوں کے اس نظریے اور دعوے کی بنیاد اسی پر ہے کہ صدیوں سے امت مسلمہ کے عوام و خواص لفظ "رسول" کا مطلب اور اس کی حقیقت غلط سمجھتے رہے ہیں ———

کیا یہ بات مودودی صاحب کے اس دعوے سے کچھ زیادہ مختلف ہے جو انہوں نے الٰہ، ربّ، عبادت اور دین کے معنی و مفہوم کے بارہ میں کیا ہے۔

(۲)
"صلوٰۃ" (نماز) کے معنی اور اس کی حقیقت کے بارہ میں بحث :۔

قریباً ۳۵، ۴۰ سال پہلے کا واقعہ ہے یہ عاجز بریلی رہتا تھا اور الفرقان وہیں سے نکلتا تھا۔ ایک دن ایک صاحب تشریف لائے۔ یہ پنجاب کے رہنے والے تھے لیکن کسی کاروباری سلسلہ سے ضلع بدایوں میں مقیم تھے، اچھے خاصے پڑھے لکھے تھے عربی سے بھی آشنا تھے، عمر ۶۰ کے قریب رہی ہو گی، انہوں نے پہلے مجھ سے نماز کے بارہ میں بات شروع کی، دریافت کیا آپ جو نماز پڑھتے ہیں کیا کہیں قرآن میں اس کا حکم یا ذکر ہے؟ میں نے اندازہ کر لیا کہ یہ صاحب چکڑالوی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی روشنی میں ان سے گفتگو کی۔ آخر میں انہوں نے اپنا تصنیف کردہ ایک رسالہ نکال کر مجھ کو دیا، یہ چھوٹے کتابی سائز کے قریباً ۶۰۔۷۰ صفحے کا رسالہ تھا۔ اس کا نام غالباً "قرآنی نماز" یا اس کے قریب المعنی کوئی نام تھا۔ جہاں تک یاد رہ گیا ہے اس کی بحث کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمان جو نماز پڑھتے ہیں اس کا کہیں

زکوٰۃ کے بارے میں منکرینِ حدیث کا دعویٰ

قرآن میں حکم یا ذکر نہیں ہے۔ یہ "غیر قرآنی نماز" ہے، مولویوں کی ایجاد ہے۔ "صلوٰۃ" کے لغوی معنی دُعاء، مناجات اور توجہ الی اللہ کے ہیں۔ اس کے لئے انہوں نے لغت کی کتابوں سے کچھ عبارتیں بھی نقل کی تھیں۔ قرآنی آیات بھی پیش کی تھیں۔ خیال ہے کہ ان میں ایک آیت یہ بھی تھی:

صَلِّ عَلَیْھِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ
سَكَنٌ لَّھُمْ[1]

مجھے یاد آتا ہے کہ میں نے الفرقان میں اس کتاب اور اس کے مصنف اور ان کے اس عجیب و غریب دعوے کا اسی طرح تذکرہ کیا تھا جس کے وہ مستحق تھے۔

ظاہر ہے کہ اس گمراہی کی بنیاد بھی یہی ہے کہ امت مسلمہ کے خواص و عوام "صلوٰۃ" کے جو معنی اور اس کی جو حقیقت اب تک سمجھتے رہے ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔ قرآن اور لغت عرب کے خلاف ہے۔

(۳)
"زکوٰۃ" کے بارہ میں ان منکرین حدیث کا دعویٰ:۔

ہفتہ وار "ایشیا" لاہور جماعت اسلامی پاکستان کا سرکاری ترجمان ہے۔ اس کے ۱۷ جون ۷۹ء کے شمارہ میں فتنۂ انکار حدیث کے اس دور کے سب سے بڑے علمبردار غلام احمد پرویز کے ماہنامے "طلوع اسلام" کے ایک مضمون کا تذکرہ کرتے ہوئے (جو اس میں زیر عنوان "زکوٰۃ کا قرآنی مفہوم" شائع ہوا تھا) لکھا گیا ہے:

"ماہ مئی کے 'طلوع اسلام' میں زکوٰۃ کا قرآنی مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ زکوٰۃ عربی زبان میں نشوونما کو کہتے ہیں، لہذا ایتائے زکوٰۃ کے معنی ہوں گے سامان نشوونما مہیا کرنا اور یہ اسلامی حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ افراد معاشرہ کی نشوونما کا سامان فراہم کرے اور یہ سامان نشوونما صرف روٹی۔ کپڑا۔ مکان ہی کو شامل نہیں ہے بلکہ اس میں وہ تمام اسباب و ذرائع شامل ہیں جن سے انسانی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی ہے۔ قرآن کی آیت "الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ" کا بھی مفہوم یہی ہے۔ یعنی یہ نہیں کہا کہ جب ان کی حکومت قائم ہوگی تو یہ لوگوں سے زکوٰۃ لیں گے، کہا یہ گیا ہے کہ وہ زکوٰۃ دیں گے، افراد معاشرہ کی نشوونما کا سامان فراہم کریں گے۔"
(ملخص)

ایشیا میں "طلوع اسلام" کا یہ اقتباس نقل کرنے کے بعد قریباً تین کالم میں اس کی تردید کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس میں زکوٰۃ کا جو "قرآنی مفہوم" بیان کیا گیا ہے وہ سراسر تحریف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح اور امت کے اجماع اور تواتر کے خلاف ہے۔ (اور بلاشبہ یہ بات صحیح ہے۔

ظاہر ہے کہ "رسول"، "صلوٰۃ"، "زکوٰۃ" جیسی دینی اصطلاحات کے بارہ میں ان منکرین حدیث کے ان خرافاتی اور انتہائی گمراہ کن دعووں کی بنیاد یہی ہے کہ ان دینی اصطلاحات کے جو معنی اور جو حقیقت نزول قرآن کے بعد سے امت مسلمہ کے عوام و خواص سمجھتے رہے ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔ صحیح وہ ہے جو مولوی عبداللہ چکڑالوی اور پرویز صاحب جیسے محققین نے لغت اور خود قرآنی آیات سے سمجھی ہے۔

مولانا مودودی صاحب اور ان کے محبین و متبعین ذرا غور فرمائیں کیا یہ بات اس دعوے سے کچھ زیادہ غلط اور عجیب ہے کہ:

زمانہ نزول قرآن کے بعد کی صدیوں میں دین کی سب سے اہم بنیادی اصطلاحات (الٰہ، رب، دین، عبادت) کا جو مفہوم سمجھا جاتا رہا ہے وہ صحیح نہیں تھا، غلط یا ناقص تھا۔ صحیح مفہوم وہ ہے جو چودھویں صدی ہجری کے قریباً وسط میں مولانا مودودی صاحب نے لغت اور قرآنی آیات سے سمجھا ہے ــــــ

کاش اللہ تعالےٰ مودودی صاحب کو توفیق دے کہ وہ اس کو محسوس کر لیں کہ انہوں نے یہ بات لکھ کر ملحدین کے لئے کیسی سند فراہم کردی ہے!!!

> اس سلسلہ کے کچھ واقعات باقی ہیں۔ انشاء اللہ تعالےٰ اگلے شمارہ میں پیش کر دیے جائیں گے۔

---

[1] اس آیت میں صلوٰۃ کے معنے دُعائے خیر ہی کے ہیں۔

محمد نعیم ترین
زیارت

علمائے دیوبند کی قربانیاں تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں

علما پر ظلم و ستم کی داستان خونچکاں انگریزوں کی طرف سے گرفتاری کا پہلا واقعہ

سنہ ۱۸۶۳ء کا واقعہ ہے کہ مولانا جعفر تھانیسریؒ کے سرحد میں انگریزوں کے خلاف مجاہدین اسلام کی حمایت کے الزام میں گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیئے گئے۔ اصل واقعہ کے مطابق مولانا تھانیسری صاحبؒ کا ایک خط پکڑا گیا، جس میں انہوں نے مجاہدین کو کچھ ہدایات کے ساتھ امداد کا یقین بھی دلایا تھا مصلحت کے پیش نظر مولانا تھانیسری روپوش ہو گئے انگریز کی پولیس پورے ملک میں مولانا کی تلاش میں سرگرم عمل تھی۔ آخر علی گڑھ کے قریب ایک سڑک پر ٹہل رہے تھے کہ گورا پولیس نے آکر مولانا کو گرفتار کر لیا اور فوری طور پر گرفتاری عمل میں آئی۔

پہلا دن حوالات میں گذرا۔ دوسرے دن پارسن صاحب مولانا اور ان کے دو ساتھیوں کو اس حالت میں لے کر چلے کہ وہ ہتھکڑیوں، بیڑیوں اور گلے کے طوق کے ساتھ جکڑے ہوئے تھے یہیں تک بس نہیں بلکہ گلے میں ایک زنجیر اور ڈالی گئی جس کو ایک سپاہی نے بڑی مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ شکرم میں بٹھا کر ارد گرد دو افسر نگرانی کے طور پر بٹھائے گئے۔ ایک دوسرا سپاہی پچھلی جانب بٹھایا گیا۔ اب آزادی کے مجرم سوئے دار لے جانے ہی والے تھے کہ پارسن صاحب نے جرأت آمیز انداز میں کہا:

"اب حرکت ہوئی تو طمانچوں سے مار دیئے جاؤ گے۔"

چند لمحے گذرے کہ نماز کا وقت آیا۔ مولانا اور ان کے ساتھی اشارہ سے نماز پڑھ رہے ہیں انگریز دیکھ کر ہنستے ہیں۔ دہلی پہنچے تو سپرنٹنڈنٹ پولیس کے بنگلہ کے نیچے ایک تہہ خانے میں بند کر دیئے گئے۔ وہاں سے دوسرے روز کرنال اور نہیں سے انبالہ لے جائے گئے۔ انبالہ جیل میں پہنچے تو آب و دانہ علیحدہ علیحدہ تینوں حضرات پھانسی کی کوٹھری میں بند کر دیئے گئے اس عنوان کی تائید کے لئے ڈاکٹر ولیم ولسن کا غضب آلود بیان ملاحظہ ہو جس سے ان حضرات کی انقلابی سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے۔

۱۸۵۲ء میں ان مجاہدین نے خیال کیا کہ اپنے طے شدہ پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کا مناسب وقت آگیا ہے۔ روپیہ اور آدمی ہمارے علاقہ سے کافی مقدار میں کیمپ کو متواتر جا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں حکومت پنجاب نے ہماری فوج کے ساتھ سازشی خط و کتابت بھی پکڑی تھی۔ انہوں نے کمال عیاری کے ساتھ ہماری ۴ع کی دیسی پیادہ فوج کے ساتھ سازش کی تھی جو اس وقت راولپنڈی میں مقیم تھی۔ انہوں نے لکھا ہے کہ مولانا تھانیسری کے خطوط سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ بنگال سے باغی کیمپ روپیہ اور آدمی پہنچانے کے لئے ایک باقاعدہ انتظام موجود ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ دوسرے دن بعد از نماز فجر پارسن صاحب سپرنٹنڈنٹ اور میجر نکلسن کے ساتھ ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس اور کپتان ٹائی ڈپٹی کمشنر انبالہ کے ہمراہ میرے کمرے میں آئے اور اس خط میں مذکورہ سازش کا پورا حال بیان کرنے کو کہا۔ میں نے کہا میں کچھ نہیں جانتا۔ پہلے اس نے مجھے دھمکایا پھر مارنا شروع کر دیا۔ مولانا نے فرمایا کہ میری مار یہاں تک پہنچی کہ میں نیچے گر گیا۔ اس کے بعد وہ لوگ مایوس ہو کر چلے گئے۔ مولانا لکھتے ہیں کہ جب ظلم و تعدی کی میں نے یہ حالت دیکھی تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ لوگ اب مجھے نہ چھوڑیں گے۔ ادھر میرے ذمہ ماہ رمضان کے روزوں کی قضا باقی تھی۔ دوسرے روز میں نے روزے رکھنے شروع کر دیے۔ اگلے روز علی الصبح مولانا روزے کی حالت میں تھے کہ گوروں کا وہی دستہ آن پہنچا، اور جھٹ سے مار پیٹ شروع ہو گئی کچھ دیر کی سنگینی کے بعد ٹائی صاحب مولانا صاحب کو ڈپٹی کمشنر کے بنگلہ میں لے گئے جہاں دوسرے بڑے بڑے افسر موجود تھے، انہوں نے مولانا کے پہنچتے ہی بڑی لجاجت کے ساتھ چاپلوسی شروع کر دی اور کہا کہ ہم تحریری عہد کرتے ہیں کہ اگر تم دوسرے شرکاء اور معاونین جہاد کے نام بتلا دو تو تمہیں سرکاری گواہ بنا کر باعزت رہا کر دیا جائے گا، نیز ایک عہدہ بھی دیا جائے گا اور نہ بتلانے کی صورت میں تمہیں پھانسی دے دی جائے گی۔ مولانا جو استقامت کے پہاڑ تھے برجستہ کہنے لگے مجھے کسی چیز کا علم نہیں۔ میں معاونین کے

کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ پارس صاحب نے ایک مجمع اپنے ساتھیوں کے ساتھ انگریزی میں گفتگو کی اور مولانا کو دوسرے کمرے میں لے جاکر پھر مارنا شروع کیا۔ مولانا تواریخ عجیب میں لکھتے ہیں کہ اس روز آٹھ بجے فجر سے رات تک مجھ پر اس قدر مار پیٹ ہوئی کہ شاید ہی کسی پر ہوئی ہو لیکن میں بفضل الٰہی سب سہہ گیا مگر اپنے خالق سے ہر دم دعا کرتا رہا کہ یہی وقت امتحان ہے مجھے ثابت قدم رکھیو جب وہ ہر طرح مایوس ہو گئے تو لاچار آٹھ بجے شب مجھ کو جیلخانہ میں واپس بھیج دیا میں تمام دن روزہ سے تھا۔ بنگلہ سے باہر نکل کر درخت کے پتوں سے میں نے روزہ افطار کیا۔ اس کارروائی سے پچاس ساٹھ آدمی ہمارے اوپر گواہ بنائے گئے لیکن اکثر لوگ گواہی دیتے وقت ہماری طرف دیکھ کر زار و قطار روتے جاتے تھے، مگر وہ بے بس تھے۔ اگر گواہی نہ دیتے تو قطع نظر مار پیٹ کے پھانسی کا سامنا تھا۔

سرکاری گواہ کس طرح

بنایا جاتا تھا:

یہ طولانی قصہ بہت دلخراش ہے نہ قلم میں لکھنے کی طاقت ہے نہ کان میں سننے کی سکت ہے۔ بس طبیعت پر جبر کر کے اکابر اسلام اور ہندوستان کی آزادی کے مجاہدین کے قصہ کو زبان قلم ماتم کے باوجود لمحہ فکریہ کے لئے رقم کر رہا ہوں۔ کسی کے حوالے سے نقل کرنے کی بجائے خود مولانا جعفر تھانیسریؒ کا اپنا مشاہدہ انہی کی زبانی ملاحظہ ہو:

"مار پیٹ کی یہ حالت تھی کہ عباسی نام کا ایک لڑکا جو مدت تک میرے گھر میں رہ کر پرورش پاتا رہا جب مجسٹریٹ میں گواہی دیتے وقت مجھ کو دیکھ کے مارے محبت کے جھوٹا اور آموختہ سکھایا ہوا بیان میرے اوپر کرنے سے ہچکچایا تو اسی روز رات کو ایسی سزا دی گئی کہ وہ بچہ اسی صدمہ سے قبل از پیشی مقدمہ مر گیا۔

انگریز کے تعصب کی انتہا یہ کہ مقدمہ کے دوران جب نماز کا وقت آتا تو سختی سے اجازت رد کر دیتے لیکن یہ لوگ کٹہرہ عدالت میں تیمم کر کے نماز ادا کر لیتے

پائے در زنجیر پیش دوستاں
بابیگانگا در بوستاں

یہ لوگ سید احمد بریلویؒ کے تربیت یافتہ تھے۔ آپ کے ساتھی مولانا ولایت علی سید صاحبؒ کی یاد میں اکثر یہ شعر پڑھتے تھے

اتنا پیام درد کہنا جب صبا کوئے یار سے گزرے
کونسی رات آپ آئیں گے دن بڑے انتظار سے گزرے

مولانا تھانیسریؒ کی

جائیداد کی ضبطی:

مولانا پر اس مقدمہ کے دوران جو ظلم ہوا اس کی کچھ تفصیل تو آپ نے سن لی یہاں جملہ معترضہ کے طور پر دوران گرفتاری ان کی جائیداد کی ضبطی کا واقعہ انہی کی زبان قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔ فرماتے ہیں مولانا:

انگریزوں نے قبل از صدور حکم اخیر مقدمہ کے میری کل جائیداد پہلے ہی دن قرق کر لی تھی۔ دوسرے دن خود میرے عزیزوں کو کوئی اپنے برامدے میں کھڑا

اس عجلت پسندی کے ساتھ جابرانہ تغلب اور چیرہ دستی بھی ملاحظہ فرمائیے۔ مولانا موصوف لکھتے ہیں:

میرے وارثوں کو اسقدر موقع بھی نہ ملا کہ کوئی جائیداد قبل از قرقی علیحدہ کر لیں اور بعد حکم صدور ضبطی جب میرے بھائی نے جو نصف کا مالک تھا اپنے حصہ کا دعویٰ کیا تو ان کو بھی فقط ایک کوٹھڑی دے کر کل جائیداد منقولہ و غیر منقولہ ضبط کر کے نیلام کر دی۔ میں بے نظر دوراندیشی اپنے حصہ کی کل جائیداد اپنی بیوی کے مہر میں مکفول کر دی تھی مگر مارے غصہ اور تعصب کے اس کی بات کسی نے نہ سنی اور میری بیوی کو مع دو شیر خوار بچوں کے پکڑ کر گھر سے نکال دیا۔

گرفتاری کا دوسرا واقعہ

مستحق دار کو حکم نظر بندی ملا
کیا کہوں کیسے رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی

ابھی زنداں کی راتوں میں نغمہائے آزادی گائے جا رہے تھے۔ مولانا تھانیسریؒ کی گرفتاری پر پورے ملک میں ہیجان پیدا ہو چکا تھا۔ انگریز کے بے پناہ ظلم سے بڑے بڑے ستونوں پر لرزہ طاری تھا۔ انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام لکھوانے والوں کے سامنے مصلحتیں کارفرما تھیں نعروں کے پیکروں نے زبانوں پر قفل لگائے تھے۔ بہت سے نام نہاد جوانوں نے ظلم کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ ایسے وقت میں حق پر قائم رہنا ظلم برداشت کرنا، مال و جان قربان کرنا قوم وطن کے لئے جابروں کی اذیتوں پر وطن کی آزادی کے لئے دعائیں مانگنا قیامت خیز خطرات میں بے خوف کود پڑنا صرف مولانا تھانیسریؒ کا کام تھا۔ انہوں نے صحیح معنوں میں سید احمد شہیدؒ کے مشن کی یاد کو تازہ کیا اور حق گوئی اور جرأت میں اپنے معلم و مربی کی راہوں پر گامزن رہے۔

ایک خواب:

اسی اسارت انبالہ کے دوران ایک شب پھانسی کی کوٹھری میں خواب یہ آیا کہ آسمانوں کی طرف سے ایک آواز سنائی دی:

"تمہیں پھانسی نہیں دی جائے گی کالا پانی ضرور جانا ہو گا۔"

والدہ کا انتقال:

مگر اس کے بعد حالات اور سخت ہو گئے۔ اب خلاصی کی کوئی امید نہ تھی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ:

"ایسے وقت میں شاہ روم بھی ہماری سفارش کرتا تو بھی ہماری خلاصی نہ ہوتی":

ادھر اسی اثناء میں مولانا کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کے دوسرے ساتھی مولانا یحییٰ علی صاحبؒ نے، جو با کشف ولی تھے، مراقبہ کیا تو آپ کی والدہ کو جنت میں پایا۔ مولانا یحییٰ علیؒ نے پوچھا:

"اماں جی! بخشش کیسے ہوئی؟

جواب ملا: اپنے بیٹے کے مصائب پر صبر کرنے کے سبب اللہ نے بخش دیا۔

اس واقعہ کے دوسرے ہی روز ان حضرات کو پھانسی کا حکم ہوا۔ تمام ساتھیوں نے یہ حکم سننے پر پوری جیل میں خوشی منائی۔ انگریز افسروں کو ان کی اس خوشی کی اطلاع ملی تو حیران ہو کر ان کی جرأت کی داد دینے لگے۔ آخر جنرل افسر نے کہا ہمیں یہ بھی منظور نہیں، ہم ان لوگوں کو خوشی کی موت بھی نہیں مرنے دیں گے۔ ہم ان لوگوں کو ایک لمحہ بھی دیکھنا نہیں چاہتے۔ چنانچہ ۱۶ ستمبر ۱۸۶۹ء کو ڈپٹی کمشنر انبالہ جیل میں آئے اور چیف کورٹ کا حکم پڑھ کر سنایا:

"تم پھانسی کو شہادت تصور کرتے ہو اس لئے تم کو پھانسی نہ ہوگی ہاں البتہ کالا پانی بھیجے جاؤ گے۔ تمہاری پھانسی بعبور دریائے شور کالا پانی میں بدل دی گئی ہے۔"

جیل کے قانون کے مطابق تمام حضرات کی داڑھیاں مونچھیں مونڈ دی گئیں۔ مولانا یحییٰ نے داڑھی کے بالوں کو ہاتھ میں اٹھاتے ہوئے کہا:

"اے بالو تمہیں مبارک ہو تم اللہ کی راہ میں شہید ہوئے ہو ہم شہادت کی تمنائیں کرتے رہے اور تمہیں یہ شرف میسر آیا۔"

گرفتاری کا تیسرا واقعہ:

جس وقت یہ لوگ انگریزی جبر و تشدد کے مورد بنے ہوئے تھے ایسے وقت میں جب کوئی شخص مولانا تھانیسریؒ کا نام زبان پر لاتا اسے چھ ماہ قید کی سزا ہوتی تھی۔ ان حالات کے بعد دوسرے واقعات بھی یعنی گرفتاری کا تیسرا واقعہ بھی دل پر ہاتھ رکھ کر سن لیجئے۔ کالا پانی بھیجے جانے کے لئے ابتدائی مقدمات سے فراغت کے بعد جب انبالہ سے لاہور کی تیاری کا وقت آیا تو ہر تین افراد کو ہتھکڑیوں، بیڑیوں اور طوق سے جکڑ دیا گیا۔ قریب الرخصت مولانا تھانیسریؒ کے بیوی بچے ملاقات کے لئے جیل آئے تو جبا د آزادی کے علمبردار باپ کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر معصوم بچوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ جرأت مند شوہر کی ناقابل بیان حالت دیکھ کر بیوی پر سکتہ طاری ہو گیا۔ مولانا نے تسلی دیتے ہوئے کہا: تمہیں معلوم نہیں قوموں کی آزادی کے لئے اس سے بھی زیادہ تکالیف اٹھائی جاتی ہیں۔ ہم نے اللہ کی راہ میں مرنے کو حیات جاودانی خیال کیا ہے۔ بچوں کے سر پر مولانا نے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:

اگر لوح تقدیر پر تمہارے باپ کی زندگی کے ایام باقی ہوئے تو کالا پانی سے واپسی پر ملاقات ہوگی ورنہ روزِ محشر میں آقائے انسانیت کے روبرو آمنا سامنا ہوگا۔"

پھانسی کے لئے

ریشم کا رسّہ:

انبالہ جیل میں جب ان حضرات کو پھانسی کا حکم ہوا تو ہر دو حضرات کے لئے ریشم کا رسّہ بنوایا گیا۔ آخر جب پھانسی کا حکم کالا پانی تبدیل ہو گیا تو اسی رات دوسرے ایک سپاہی قیدی کو پھانسی دی گئی۔

گرفتاری کا چوتھا واقعہ:

ہندوستانی قوم کی غلامی سے دل برداشتہ آزادی کے ان مجاہدین کو انبالہ سے لاہور جس طرح لایا گیا اسے دیکھ کر دل و دماغ ماتم کرنے لگتے ہیں۔ قلم لکھتے ہوئے تھرتھراتا ہے۔ زبان پڑھتے ہوئے لڑکھڑاتی ہے۔ ان حضراتؒ کی داستان المناک سن کر سقوط بغداد میں تاتاریوں کا ظلم و ستم بھول جاتا ہے۔ اس موقعہ پر انگریز نے پیرس کے ان یہودیوں کی تاریخ دہرائی ہے جنہوں نے اپنے ملک کے مسلمان گھرانوں کی عورتوں کے شکم چیر کر غیر تام الخلقت بچوں کو کتوں کے آگے ڈالا۔ زندہ مسلمانوں کو آگ میں جلایا۔ یہاں بھی ایک ایک روز میں پانچ سو علماء کو پھانسی پر لٹکایا گیا۔ مسلمانوں کو تانبے کے گرم تھالوں پر لٹا کر داغا گیا۔ علماء کو سوروں کی کھالوں میں بند کر کے تنوروں میں ڈالا گیا۔ علماء کے آگ میں جلتے ہوئے طربناک وقت میں اسلام اور مسلمانوں کی اہانت رچائی گئی۔ خیر سامراجی دریدہ دہنی اور انگریز کے بے پناہ ظلم پر یہ شعر ہی کافی ہے۔

داستان ظلم کی سن کر دشت دجبل چیخ اٹھے
ہم نے بیابانوں کو نوحہ کرتے ہوئے دیکھا

مجاہدین انبالہ سے

لاہور کیسے پہنچے:

ان حضرات کو جس طرح اور جس حالت میں طویل سفر کرایا گیا، وہ اس طرح کہ پاؤں میں زنجیریں، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، گلے میں زنجیر کا طوق، پھر تین سو میل کا پیادہ سفر، جوگیلا لباس۔ بھوک کی سختی، تھکاوٹ کی کلفت، دھوپ کی شدت، اسی حالت میں نمازوں کی ادائیگی، نگران سپاہیوں کی سرزنشیں۔ بس ناظرین اس حالت کا تصور کر کے ان کی حریت پسندی کا اندازہ کر لیں (باقی صفحہ ۵ پر)

اللہ! اللہ! یہ جرأت یہ استقامت انہیں کا حصہ تھا۔ ایک سو سال بعد آج ان پر ظلم یہ کہ تاریخ کے صفحات ان کے لئے فارغ نہیں ہیں۔ ان کے فقید المثال کارناموں کے لئے مسلمان قوم کے کسی تعلیمی نصاب میں جگہ نہیں۔ جن لوگوں نے انگریز کی سلطنت کو جھک جھک کر سلام کیا۔ سامراجی گورکوں کے گھوڑوں کے خرخرے لگا لگا کر جاگیریں اپنے نام کرائیں، آج ہماری ملکی تاریخ انہیں قوم کا پیشوا، رہبر اور تہذیب کے علم بردار ثابت کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کی تاریخ میں یہ روش دیر سے چلی آرہی ہے کہ وہ فقط فاتحین و جابرین کے احوال پیش کرنے میں فرائض بجاآوری خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ اس قسم کے مورخین قوم و ملت کے خیرخواہ نہیں ہیں جنہیں مظلوموں کی جرأت پر بے رحم قلم پھیرنے سے باک نہیں ہوتا صحیح بات یہ ہے کہ مادی قوت سے غلبہ پانے والی قوم قوموں کو تعمیر و ترقی کی راہوں پر گامزن نہیں کر سکتی کیونکہ جو قومیں روحانی و جسمانی اور دل و دماغ کی تاریکیں مرتب کرتی ہیں ظاہر ہے کہ انہیں لوگوں کے کارناموں سے قلب و جگر میں ذوق و شوق کی بلندیاں پرورش پاتی ہیں۔ بات یہ چل رہی تھی کہ ظلم کی بھینٹ چڑھنے والے مجاہدوں کا قافلہ جب لاہور سینٹرل جیل کوٹ لکھپت میں پہلا قدم رکھتا ہے تو جیل کا افسر مجاہدوں کی جرأت و سطوت دیکھ نہ سکا۔ کثیر تکلیف کے باوجود ان کے چہرے شجاعت کا نشان بنے ہوئے تھے۔

خط و کتابت کرتے وقت
خریداری نمبر
کا حوالہ ضرور دیں۔
محمد سلیم قریشی

بقیہ: چنیوٹ کانفرنس

یہ لوگ آپ جیسے بن کر مقابلہ کرتے ہیں، اس لئے مقابلہ کے لئے ہر طرح تیار رہنا چاہیئے۔

رات کی نشست سے خطاب کرتے ہوئے شیخ محمد اسمٰعیل بن عتیق نے کہا کہ حق کے راستے میں آپ کو طرح طرح کی مشکلات پیش آئیں گی۔ ان مشکلات کو برداشت کرنے اور مقابلہ کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کریں۔ مرزائیت کا مسلک پاکستان میں ہے اور وہ باہر دنیا کو یہ تاثر دے رہے ہیں کہ پورا پاکستان مرزائی ہے۔ اس لئے بعض لوگ اس غلط پروپیگنڈے سے متاثر ہوتے ہیں۔ اس جماعت شاہ فیصل شہیدؒ نے قلع قمع کرنے کے لئے بہت کوشش کی ہیں جبکہ ہم بھی شہید مرحوم کے کردار کو زندہ کریں گے۔ اس فتنہ پر کڑی نگاہ رکھیں گے اور انہیں اقلیت کی عملی حدود میں ہی رہنے دیں۔

کانفرنس میں خیبر سے لے کر کراچی تک سے آئے ہوئے زعماء اور علماء نے خطاب کیا، عوام کو اپنے مقاصد اور وقتی تقاضوں سے آگاہ کیا۔ کانفرنس کی صدارت امیر مجلس مولانا خان محمد نے کی جبکہ ان کی طرف سے مولانا تاج محمود 'مدیر لولاک' نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا۔

مختلف علماء رہنماؤں کے علاوہ مفکر اسلام مولانا مفتی محمود، خطیب اسلام مولانا محمد اجمل، مولانا عبدالقادر روپڑی، مولانا ضیاء القاسمی شیعہ لیڈر محبوب علی شمسی 'نوائے وقت' لاہور کے نیوز ایڈیٹر حمید اصغر مجید وغیرہ نے بھی خطاب کیا۔ مفکر اسلام مولانا مفتی محمود نے کہا کہ:

اپنے آئین میں یہ لکھوایا کہ مرزائی غیر مسلم اقلیت ہے لیکن افسوس ہے کہ اس اسمبلی ہال میں ڈاکٹر عبدالسلام مرزائی کو ڈاکٹریٹ دے کر اسے ایک اسلامی سائنسدان قرار دیا جاتا ہے اور ارباب دانش از خود ہی آئین کے تقدس کو پامال کر رہے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ ختم نبوت کا مسئلہ پورے عالم اسلام کا مسئلہ ہے، اس لئے صدر مملکت مسلمانوں کے جذبات کا احترام رکھ کر اس مسئلہ کو پرامن طور پر حل کریں۔ انہوں نے مرزائیوں کے عزائم پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔

سفوف تبخیری
کیا آپ تبخیر معدہ کی وجہ سے پریشان ہیں؟
پریشان نہ ہوں
سفوف تبخیری
نسخہ حکیم دوست محمد خان آف جنڈانوالہ استعمال کریں
قیمت ۸ روپے فی پیکٹ علاوہ محصولڈاک
مفصل لٹریچر اور فہرست ادویات مفت طلب کریں
جاوید یونانی لیبارٹریز (رجسٹرڈ)
فون ۲۸۹
میانوالی

کرمفرماؤں کیلئے وقت کی بچت
ایک دام واحد کلام
ہر قسم کے
دیدہ زیب۔ خوبصورت
موسم رواں کے دیدہ زیب
آرام دہ سٹائل کے
جوتوں کا مرکز
نگینہ بوٹ ہاؤس
مین بازار چیچہ وطنی

آخری قسط

حافظ محی الدین اطہر چاچڑ

طویل جدّوجہد کے بعد برصغیر کے مسلمانوں کو آزادی نصیب ہوئی

جناب شاہنواز سنبایو (سکھر) نے اپنی تقریر میں کہا کہ:

موجودہ نظام تعلیم طلباء کو نظریاتی بنیادوں پر تیار نہیں کرتا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار سورج کی موجودگی میں سورج کے انکار کے مترادف ہے۔

جناب سعید احمد میمن (پریالو) نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ:

ہر قوم کا نظام تعلیم اس کے نظریے کے مطابق بنایا جاتا ہے۔ جس نظریے کے نوجوان تیار کرنے ہوتے ہیں اسی نظریے پر مبنی ان کو تعلیم دی جاتی ہے۔ چونکہ ہمارا ملک اسلامی نظریے پر بنا لہٰذا یہاں بھی اسلامی نظام تعلیم رائج کیا جانا چاہیئے۔

ٹاؤن ہال کی پروقار تقریب میں اسی موضوع پر حافظ محی الدین اطہر چاچڑ (سکھر) نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

چونکہ موجودہ نظام تعلیم انگریزوں کا بنایا ہوا ہے اور ان کا مقصد مسلمانوں کی نئی نسل کو قرآن سے دور رکھنا تھا تاکہ ان سے جذبۂ جہاد ختم ہو جائے، لہٰذا یہ نظام تعلیم طلباء کو ان نظریاتی بنیادوں پر تیار نہیں کرتا جن بنیادوں پر پاکستان معرض وجود میں آیا تھا۔ پاکستان کو ایک ایسے نظام تعلیم کی ضرورت ہے جسے پڑھ کر ایک طالب علم ڈاکٹر اور انجینئر بننے کے ساتھ ساتھ محدث اور فقیہ بھی ہو سکے۔

مقابلے کے آخری مقرر جناب دین محمد قریشی (شکارپور) تھے۔ اپنی تقریر میں انہوں نے کہا کہ:۔

موجودہ نظام تعلیم بالکل فرسودہ ہے جس کی وجہ سے نوجوان نسل کا اخلاق تباہ ہوتا جا رہا ہے۔ ہولناک جرائم کی شرح میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

موجودہ نظام تعلیم طلبہ کو نظریاتی بنیادوں پر تیار نہیں کرتا۔

بعد میں مہمانِ خصوصی جناب اکمل قادری نے اسی موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ: موجودہ نظام تعلیم ہمیں ورثہ میں ملا ہے جو انگریزوں نے مسلمان نوجوانوں کو تباہ کرنے کے لئے تیار کیا تھا۔ طویل جد وجہد کے بعد برصغیر کے مسلمانوں کو آزادی نصیب ہوئی اور ایک آزاد اسلامی مملکت پاکستان وجود میں آئی۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ آزادی ملتے ہی فرنگی کے اس تباہ کن نظام تعلیم کو مٹا دیا جاتا، مگر افسوس کہ ارباب اقتدار نے نظریۂ پاکستان کو فراموش کر دیا نتیجۃً ہماری مملکت کا بڑا حصہ ہم سے کٹ گیا، مگر ارباب اقتدار کی آنکھیں پھر بھی نہ کھلیں لہٰذا پاکستان کی نظریاتی بنیادیں کھوکھلی ہو کر رہ گئیں۔ آج ملک و قوم کا استحکام اسی میں پوشیدہ ہے کہ اس فرسودہ نظام تعلیم کو مٹا کر صحیح اسلامی نظام تعلیم رائج کیا جائے۔

اس کے بعد تقریب کے صدر جناب محمد اعظم چیمہ نے مقابلے کے نتائج کا اعلان کیا اور انعامات تقسیم کئے۔ اول انعام حافظ محی الدین اطہر چاچڑ کو، دوسرا انعام سعید احمد میمن کو، تیسرا انعام شاہنواز سنبایو کو اور خصوصی انعام ظہیر احمد میمن کو ملا۔

مغرب کا وقت ہو چکا تھا کہ یہ شاندار تقریب ختم ہوئی۔ معزز مہمانوں اور شرکاء نے ریلوے کی مسجد میں نماز ادا کی اور اس کے ساتھ ہی جمعیۃ طلباء اسلام سکھر کا یہ ایک روزہ عظیم الشان پروگرام اختتام کو پہنچا۔ اس کے بعد مرکزی قائدین نے جناب پیر محمد سومرو کی طرف سے دیئے گئے عشائیے میں شرکت کی اور رات کو بھی وہیں قیام پذیر رہے۔ جناب استاد ابو محمد نے تقریباً دو گھنٹے تک معزز مہمانوں سے خطاب کیا۔ صبح ۵ بجے مرکزی قائدین نواب شاہ روانہ ہو گئے۔

نواب شاہ:۔

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کے مرکزی

قائد جناب ڈاکٹر محمد اعظم چیمہ صاحب صاحبزادہ محمد اکمل قادری اور صوبائی صدر جناب نذیر احمد پھوار بذریعہ ٹرین نوابشاہ پہنچے۔ اسٹیشن پر عہدیداروں اور کارکنوں نے قائدین کا استقبال کیا۔ ظہر کے بعد جامع مسجد غریب آباد میں جمعیۃ طلبہ اسلام کے جیالے کارکن مرکزی قائدین کے خیالات سننے کے لئے جمع تھے۔ اجلاس شروع ہوا۔ اجلاس کی صدارت مولانا قائم الدین نے کی۔ تلاوت کے بعد مرکزی ناظم جناب محمد اعظم چیمہ صاحب نے جمعیۃ طلباء اسلام کے پروگرام پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ

موجودہ دور میں جمعیۃ طلباء اسلام ہی ایک ایسی جماعت ہے جو اسلام کا نام لینے کے ساتھ ساتھ اسلام کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔

ڈاکٹر نذیر احمد پھوار نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جمعیۃ طلبہ اسلام ایک جماعت ہی نہیں بلکہ ایک تحریک ہے جس کی بنیاد شاہ ولی اللہؒ اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے رکھی اور یہ تحریک صحابہ کرامؓ نے چلائی۔ ہماری اس تحریک کا محور امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔

آخر میں صاحبزادہ محمد اکمل قادری نے اپنی تقریر کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے کیا۔ انہوں نے نظریاتی تعلیم پر زور دیتے ہوئے کہا کہ: دیگر ممالک میں نظریات کی تعلیم دی جاتی ہے اور بدقسمتی سے ہمارے ملک میں نظریاتی تعلیم کا فقدان ہے حالانکہ اس ملک کی اساس ہی نظریاتی ہے۔ انہوں نے طلبہ کو ہدایت کی کہ بزرگان دین کی تعلیمات سیرت طیبہ اور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کو مشعل راہ سمجھتے ہوئے اپنی زندگی کی تعمیر کرکے دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کریں۔ مولانا قائم الدین کی دعا پر یہ اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

لاڑکانہ:

قائد طلبہ جناب جاوید ابراہیم پراچہ جمعیۃ طلبہ اسلام کے مرکزی ناظم اطلاعات حافظ اطہر عزیز اور محمد ایوب صدر سٹوڈنٹس یونین گورنمنٹ کالج مستونگ ۲۳ دسمبر کو لاڑکانہ پہنچے۔ اس موقع پر مدرسہ عربیہ اشاعت القرآن میں ایک عظیم الشان طلبہ کنونشن منعقد کیا گیا۔ کنونشن کی صدارت سندھ کے ممتاز مذہبی راہنما جناب علامہ سید عبداللہ شاہ بخاری نے کی۔ اس کنونشن سے ڈاکٹر محمد اعظم چیمہ، صاحبزادہ اکمل قادری۔ حافظ اطہر عزیز، سید عبدالغفور شاہ سابق صدر جمعیۃ طلباء اسلام صوبہ سندھ۔ ڈاکٹر نذیر احمد پھوار، مدرسہ اشاعت القرآن کے پرنسپل مولانا علی محمد حقانی مدظلہ نے بھی اجلاس سے خطاب کیا۔ کنونشن کا آغاز استاد التجوید قاری امیر الدین انور کی تلاوت سے ہوا۔ جناب امداد اللہ پھلپوٹو نے غزل پڑھی اور مولانا حافظ خادم حسین نے کنونشن کے پہلے اجلاس کا افتتاح کیا۔ اسٹیج سیکریٹری کے فرائض جمعیۃ طلبہ اسلام ضلع لاڑکانہ کے صدر اور چانڈکا میڈیکل کالج لاڑکانہ کی سٹوڈنٹس یونین کے جوائنٹ سیکریٹری خالد محمود سومرو نے سر انجام دیے۔

بقیہ: ساری کائنات مربوط ہے:

کے رس کے لئے سینکڑوں میل کا سفر کرتی ہے کائنات کے یہ ان دیکھے بندھن بڑے ہی مضبوط ہیں کہ کسی طرح نہیں ٹوٹتے۔ ایک طرف سے رشتۂ محبت ہے تو دوسری طرف سے رشتۂ نفرت، پھولوں کو ان کا آنا ناگوار ہوتا ہے اور انہیں ان تک پہنچنا محبوب کی ملاقات سے کم نہیں۔ اس طرح نباتات اپنے پھلوں کے رس کے ذریعہ میلوں دور ان کے بچوں کی پرورش کرتی ہیں اور یہ میلوں دور سے اگران کی تلقیح کرتی ہیں اور ان کی نسل کو بڑھاتی ہیں۔ ایک مخلوق کسی نہ کسی طرح دوسری مخلوق کی خادم ہے یا مخدوم یا دونوں۔

لوہا عالم ناسوت کی کتنی خدمت کرتا ہے کہ انسان اس کے ذریعے عالم نباتات و جمادات و حیوانات وغیرہ پر حکمرانی کرتا ہے سمندروں فضاؤں اور خشکیوں میں اسے اڑائے اڑائے پھرتا ہے۔

سمندر نباتات، جمادات، حیوانات اور انسانوں کو روزی مہیا کرتا ہے اور انواع و اقسام کی چیزیں انسان کو بخشتا ہے۔ اس کے اپنے اندر کی مخلوق رشتۂ محبت یا رشتۂ عداوت میں منسلک ہے اور باہر کی مخلوق اس کے اندر کی مخلوق سے کسی نہ کسی قسم کا ربط رکھتی ہے اور اس کے اندر کی مخلوق باہر کی مخلوق سے۔

جسطرح جسم انسانی و حیوانی کے اعضاء کو ایک دوسرے سے ربط ہے اسی طرح نباتات کے اجزا کو ایک دوسرے سے ربط ہے اور اسی طرح کائنات کے اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں، کڑی سے کڑی اور لڑی سے لڑی ملتی چلی گئی ہے۔

ما تری فی خلق الرحمان من تفاوت
فارجع البصر هل تری من فطور
ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک
البصر خاسئا وهو حسیر ۵

اللہ کی تخلیق میں کوئی فرق نہیں پاؤ گے۔ بار بار دیکھو کوئی نقص نظر نہیں آئے گا اور نگاہ تھک کے لوٹ آئے گی۔

اعلان

سیف بن عتیق کو چنیوٹ میں ہفت روزہ "ترجمان اسلام" کا ایجنٹ مقرر کیا گیا ہے۔ لہذا ہفت روزہ "ترجمان اسلام" کا تازہ پرچہ حاصل کرنے کے لئے فیصل عتیق نیوز ایجنسی چنیوٹ سے رابطہ قائم کریں۔

(ادارہ)

طلباء کی سرگرمیاں

محمد ادریس

افغانستان میں بیرونی جارحیت کے خلاف مشترکہ لائحہ عمل تیار کیا جائے، ندیم اقبال اعوان

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کے مرکزی ناظم عمومی جناب ندیم اقبال اعوان نے کہا کہ افغانستان کی موجودہ صورتحال کے پیش نظر عالم اسلام کو اسلامی ممالک کی سلامتی اور تحفظ کے لئے مشترکہ لائحہ عمل تیار کرنا چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ کمزور اور پسماندہ ممالک پر اس طرح ظلم وستم انتہائی شرمناک ہے۔ اگر یہ صورتحال بدستور قائم رہی تو ہر ملک کی سلامتی خطرے میں پڑ جائے گی۔ چھوٹے اور کمزور ممالک بڑی طاقتوں کے آگے کھلونا بن کے رہ جائیں گے۔

جناب ندیم اقبال اعوان نے کہا کہ اس مسئلے پر تمام اسلامی ممالک کی کانفرنس فی الفور بلائی جائے۔ انہوں نے افغان مہاجرین کی ہر طرح امداد کرنے پر زور دیا اور کہا کہ ہمیں چاہیے کہ افغان بھائیوں کی امداد اور افغان مجاہدین کی فتح کے لئے دعا کے ساتھ اپنے آپ کو جہاد کے لئے تیار کریں۔

حضرت علی ہجویریؒ کانفرنس:

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان صوبہ پنجاب کے زیر اہتمام ۲۴ جنوری کو حضرت علی ہجویریؒ کی یاد میں ایک عظیم الشان حضرت علی ہجویریؒ کانفرنس لاہور میں ہو گی جس کی صدارت مولانا عبید اللہ انور کریں گے۔ اس کانفرنس کے مہمان خصوصی دیوان قطب صاحب سجادہ نشین پاکپتن شریف اور میاں سراج احمد دین پوری سجادہ نشین درگاہ عالیہ دین پور شریف ہونگے۔

اس کانفرنس سے مولانا محمد اجمل خان، خان اشرف خان، پروفیسر محمد اسلم، جاوید ابراہیم پراچہ، میاں محمد اجمل قادری، ندیم اقبال اعوان، میاں محمد عارف ایڈووکیٹ، سید سلمان گیلانی خطاب کریں گے۔

انتظامات کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی ہے جس کے سربراہ حافظ اطہر عزیز ہوں گے۔ اس کمیٹی میں ظہیر میر، عبدالخالق ندیم، محمد ادریس، خالد محمود ڈھیپو شامل ہوں گے۔

قائد طلباء جناب جاوید ابراہیم پراچہ کے والد محترم انتقال کر گئے:

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کے مرکزی صدر جناب جاوید ابراہیم پراچہ کے والد محترم جناب حاجی محمد ابراہیم پراچہ ۱۳ جنوری کو ہسپتال میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ چند ہفتے سے ہسپتال میں زیر علاج تھے۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے اور اسلام کی خدمت کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے علماء حق سے انہیں گہری عقیدت تھی۔ جناب پراچہ کو انکی اچانک وفات سے ناقابل برداشت صدمہ پہنچا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے۔

علاوہ ازیں شیخ طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور نے پراچہ صاحب کے نام ایک تار میں حاجی صاحب کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا اور مرحوم کیلئے دعا کی۔ جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کے مرکزی نائب صدر میاں محمد اجمل قادری، حافظ اطہر عزیز اور جناب ندیم اقبال اعوان نے انہیں تعزیتی تار ارسال کئے اور مرحوم کیلئے دعا کی ہے۔

ریاض الخطیبؒ چل بسے:

گذشتہ دنوں پاکستان میں سعودی عرب کے سفیر جناب ریاض الخطیب دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم کو پاکستان کے عوام سے خاصا لگاؤ تھا۔ گذشتہ برسوں میں پاکستان اور سعودی عرب کے تعلقات میں انکی وجہ سے بہت اضافہ ہوا۔ وہ ہر اس شخص کو چاہتے جسکا دل اسلام کے لئے دھڑکتا اور ہر اس جماعت سے محبت کرتے جو اسلام کی سربلندی کیلئے کام کرتی۔

گذشتہ سال وہ جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کے مرکزی کنونشن میں شریک ہوئے۔ انہوں نے طلبہ کی سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے اظہار مسرت کیا اور کہا کہ نوجوان طلبہ کا اسلام کی خدمت کا یہ جذبہ قابل تحسین ہے اور انہوں نے جمعیۃ طلباء اسلام کے ساتھیوں کو منظم جدوجہد پر مبارکباد دی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور انکے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

محمد عامر کے اعزاز میں تقریب

جمعیۃ طلباء اسلام پاکستان ضلع لاہور کے زیر اہتمام انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں اول آنے والے جمعیۃ طلباء اسلام کے ساتھی جناب قاری محمد عامر کے اعزاز میں ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ اس تقریب کے مہمان خصوصی حضرت مولانا محمد اجمل خان تھے۔ اس کے علاوہ تقریب میں مرکزی ناظم عمومی جناب ندیم اقبال اعوان، حافظ اطہر عزیز، عبدالخالق ندیم، خالد محمود ٹیپو۔ محمد اختر ندیم بھی شریک ہوئے۔

مرکزی ناظم عمومی جناب ندیم اقبال اعوان نے جناب عامر صاحب کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ آپ نے جمعیۃ طلبہ اسلام کے ساتھیوں کے لئے ایک مثال قائم کی ہے کہ وہ علماء حق کی قیادت میں اپنی زندگی کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی جدوجہد کے ساتھ ساتھ تعلیمی میدان میں بھی نمایاں کامیابیاں حاصل کریں۔ حضرت مولانا محمد اجمل خاں نے جناب عامر کو مبارکباد دی اور کتابوں کا ایک سیٹ انعام کے طور پر پیش کیا۔

اگلے روز جمعیۃ طلبہ اسلام کے مرکزی نائب صدر جناب میاں محمد اجمل قادری نے جناب محمد عامر کے اعزاز میں ایک پرتکلف ضیافت کا اہتمام کیا جس میں حافظ محمد عامر کے والد گرامی جناب مولانا بدیع الزماں (فاضل دیوبند) کو بطور خاص دعوت دی گئی۔ جناب محمد عامر صاحب نے تلاوت کلام پاک فرمائی کہ اہل محفل جھوم اٹھے۔ مولانا بدیع الزماں صاحب دیوبند میں اپنے دور طالب علمی کے یادگار قصے سناتے رہے اور اکابر کے تذکروں سے حاضرین لطف اندوز ہوتے رہے۔ یوں رات گئے تک محفل جمی رہی۔ آخر میں تمام ساتھی جناب عامر صاحب کے ہمراہ حضرت مولانا عبیداللہ انور کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت نے دعا فرمائی اور تقریب اختتام پا گئی۔

شہر شہر کی خبروں کا خلاصہ سنیئے:

◆ ضلع لاہور کی مجلس عاملہ کے ایک اجلاس میں جناب جاوید پراچہ کے والد محترم کی وفات پر رنج و غم کا اظہار کیا گیا اور مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی گئی۔

◆ جمعیۃ طلبہ اسلام ضلع تھرپارکر و ضلع سانگھڑ کا مشترکہ اجلاس شاہد راجپوت کی صدارت میں ہوا۔ تمام شاخوں کو کام کی رفتار تیز کرنے کی ہدایت کی گئی۔

◆ طائف کے قریب حادثہ میں جاں بحق ہونے والے حاجیوں کے لئے دعائے مغفرت کی گئی۔ جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان بہاولنگر کے راہنما جناب عاشق خان کے بھائی کے قتل پر اظہار افسوس کیا گیا اور مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی گئی۔

◆ گذشتہ دنوں حلقہ مسلم آباد (میرپور خاص) کے اجلاس میں یونٹ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ محمد اقبال کو صدر محمد طارق کو ناظم عمومی اور محمد سلیم کو ناظم مالیات منتخب کیا گیا۔ اجلاس کی صدارت مطلوب احمد رندھاوا نے کی اور شاہد راجپوت نے "ہم اور ہمارے اسلاف" کے موضوع پر طلبہ سے خطاب کیا۔

◆ جمعیۃ طلبہ اسلام صوبہ سندھ کی طرف سے ایک رپورٹ شائع کی جا رہی ہے جس میں شاخ، یونٹ اور ضلع کی سالانہ کارکردگی ہوگی جس کا "پرفارما" ضلعی صدر حضرات کو ارسال کر دیا گیا ہے۔ تمام اضلاع کو یکم فروری تک رپورٹ بھیجنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ صوبائی صدر نے تمام شاخوں کو ہدایت کی ہے کہ اجلاس باقاعدہ کریں۔ درس قرآن و حدیث کا اہتمام کریں نیز پروگرام اقوال زریں، عام معلومات، تاریخ اسلامی کے موضوعات پر نشستیں رکھیں۔ اخبارات سے مکمل رابطہ کریں اور اپنی رپورٹ سے ضلع، صوبہ اور مرکز کو مطلع کریں۔

◆ صوبہ سندھ جمعیۃ طلبہ اسلام کے ناظم مالیات کی شادی خانہ آبادی بخوبی انجام پائی۔ اس موقع پر تمام صوبائی حضرات جمع تھے۔ لہذا ایک اجلاس منعقد ہوا قائدین نے خطاب کیا۔ اسی طرح سکھر ڈویژن کا اجلاس بھی اسی موقع پر ہوا۔ اور ہالیجوی شریف میں تربیتی اجتماع کا فیصلہ کیا گیا۔

◆ جمعیۃ طلبہ اسلام تھرپارکر کا اجلاس مطلوب احمد رندھاوا کے زیر صدارت ہوا۔ جمعیۃ طلبہ اسلام کے کام کو تیز کرنے کے لئے پروگرام بنائے گئے۔ میاں محمد اجمل قادری کو جمعیۃ طلبہ اسلام کا مرکزی نائب صدر منتخب ہونے پر اور حافظ محمد عامر کو انٹرمیڈیٹ میں شاندار کامیابی حاصل کرنے پر مبارکباد دی گئی۔

ساتھی متوجہ ہوں

- جواب طلب خطوط کے آخر میں اپنا پتہ لکھنا مت بھولئے۔
- "ترجمان اسلام" میں شائع ہونے والے مرکزی قائدین کے بیانات "پالیسی بیان" ہوتے ہیں۔ ساتھی اخبارات میں خبریں ارسال کرتے وقت انکو مدنظر رکھا کریں۔

محمد ادریس
ناظم جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان

نعت النبی ﷺ

جس دل میں بس گئی ہے محبّت رسولؐ کی
اُس دل سے پُوچھ لیجئے رفعت رسولؐ کی

بس پا لیا ہے منزلِ عرفان کا سُراغ
قندیلِ معرفت ہے اطاعت رسولؐ کی

ایک لہر انبساط ہے دل میں رواں دواں
گویا میری حیات ہے مدحت رسولؐ کی

میری نظر میں عاشقِ خیرالبشرؐ ہے وہ
چھُوٹے نہ جس سے کوئی بھی سنّت رسولؐ کی

پرواز کو ہے نسبتِ خیرالوریٰؐ پہ ناز
پروانۂ نجات ہے نسبت رسولؐ کی

محمد یعقوب پرواز